بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ط

دین و دنیا کی ترقی چاہتا ہے تو اگر
یَاوَدُوْدُ یَاوَدُوْدُ یَاوَدُوْدُ ورد کر

شانِ فاضلی

مبنی بر

سوانح حیات، بیانات و کمالات اور انکشافات

جناب قبلہ عالم

حضرت فضل شاہ صاحب قطب عالم نور والے

مرتبہ: عبدالقیوم ساقی

۷۸۶

اِنَّ رَبِّی رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ط

دین و دنیا کی ترقی چاہتا ہے تو اگر
یا وَدُوْدُ یا وَدُوْدُ یا وَدُوْدُ ورد کر

شانِ فاضلی

مبنی بر

سوانح حیات، بیانات وکمالات اور انکشافات

جناب قبلہ عالم
حضرت فضل شاہؒ صاحب قطب عالم نور والے

مرتبہ: عبدالقیوم ساقیؔ

۷۸۶

یَا وَدُوْدُ

ابتدا تیرے نام سے کرتا ہوں اے رحیم
اے خداوندِ دوعالم اے خداوندِ کریم

انتساب

جناب حضرت پیر مقبول الٰہی صاحب مدظلہ، العالی

زیبِ آستانہ قادریہ، نوروالوں کا ڈیرہ پاک
لاہور و ماموں کانجن شریف کے نام، جنہوں
نے ہر موقع پر شفقت سے نوازا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پبلشر ڈاکٹر محمد یونس فاضلی قادری، نوروالے

معرفت فاضلی کارپوریشن

ایڈریس: دفتر 78- گلستان مارکیٹ ریلوے روڈ فیصل آباد

فون: 635069 فیکس: 630924

ایڈریس گھر: مکان نمبر 55، بلاک زیڈ گلی اے (P-55-Z-A)

مدینہ ٹاؤن فیصل آباد فون: 541958

۱) مسلمانوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر وہ جلوت اور خلوت میں اپنی مرکزیت قائم نہ کر سکے، تو خداوند تعالیٰ بھی انکے زوال کو روکنا پسند نہیں فرمائے گا۔ اور یہ کام قوم کے صاحبان حال ہی کر سکتے ہیں۔ صاحبان قال نہیں کاش! مسلمان کی سمجھ میں وحدت فکر کی اہمیت آ جائے۔

۲) اصلاح حال کی صورت یہ ہے کہ جن کی بات حق کے حوالے سے ہو اور اسے درست مان لیا جائے اور اس معیار کو اس قدر روشن کر دیا جائے کہ من مانی کرنے والوں سے لوگوں کو کراہت ہو جائے۔
مستقبل کے حوالے سے اپنے حق کو پہچاننے اور اس حق کو حال پر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ سب کو فضل و کرم اور رحمت سے نوازے۔ (حضرت فضل شاہ صاحب)

آج بھی سب کچھ ہے محبت کے خریداروں کو
حسن ہادی بھی اور نور کا بازار بھی

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر		عنوان	صفحہ نمبر
عرض مرتب	1	۱۔	بیان حقوق العباد	96
دیباچہ	5	۲۔	بیان مصائب و آلام	98
سوانح حیات حضرت میاں خدا بخشؒ	29	۳۔	بیان نیت	101
پیدائش، سیرت وصورت	29	۴۔	بیان ارکان اسلام	104
وصال	48	۵۔	بیان انس	106
ملفوظات طیبہ	50	۶۔	بیان شے	110
حیات طیبہ حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ	59	۷۔	بیان فاروق	114
ولادت، اسم گرامی، خاندان مبارک	59	۸۔	بیان تسلیم و تعلیم	120
والدین کریمین، تعلیم و تربیت	60	۹۔	بیان حقیقت	123
جذب	63	۱۰۔	بیان تجویز و تقدیر	126
بارگاہِ باری میں	64	۱۱۔	بیان اخلاص	129
ازدواجی زندگی	66	۱۲۔	بیان قاصد	132
معمولات	71	۱۳۔	بیان تکمیل الرشد، مقامات جہاد	141
حلیہ مبارک	73	۱۴۔	بیان اوصاف نور ہدایت	149
اخلاق حسنہ	74	۱۵۔	بیان اذان	153
وصال شریف	83	۱۶۔	بیان امارت	159
سلسلہ مبارک	85	۱۷۔	بیان جوہر حیات	165
بیعت کی حقیقت	91	۱۸۔	بیان صحت	171
بیانات	96	۱۹۔	بیان تعبیر خواب	173

۲۰۔ بیان شرح صدر 175

۲۱۔ بیان باشان 177

۲۲۔ بیان دنیا 181

۲۳۔ بیان مقام روزن راہ و حال 183

۲۴۔ بیان یادو دو (۱) 186

۲۵۔ بیان یادو دو (۲) 187

۲۶۔ بیان کرم 189

۲۷۔ بیان علم 191

۲۸۔ بیان ذیشان 192

۲۹۔ بیان باشان 193

۳۰۔ بیان وجود شہود کا نمود اور نام 194

۳۱۔ بیان باشان 195

۳۲۔ بیان ستاروں کا تقدیر
سے تعلق، تقدیر 197

۳۳۔ کب سے اکثر گناہ
لاحق ہو جاتا ہے 198

۳۴۔ بیان مصائب و آلام 199

مکتوبات شریف 201

خواب و تعبیر خواب 230

استفسارات 260

مکالمہ شریف 275

علم عارف 282

تاثرات 285

انکشافات 312

ارشادات عالیہ 388

بیان تفسیر پاک 434

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ط

عرضِ مُرتّب

1982ء کے اکتوبر میں بائیس دن ڈیرہ پاک لاہور میں حاضر رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب حضرت پیر رضا حسین صاحب بلالی جمالی ؒ کی خدمت میں حاضری رہی۔ اس وقت محترم احمد دستگیر صاحب ؒ بھی وہاں حاضر اش تھے۔ وہ حضور فضل شاہ قطب عالم ؒ کی سیرت سے متعلق کافی ضخیم کتاب تصنیف کر رہے تھے۔ نہ جانے کب تک لکھتے رہے مواد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کافی ضخیم کتاب مرتب ہوگی۔ آپ وصال فرما چکے ہیں اور کتاب ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی۔ جب بزرگانِ دین بہتر سمجھیں گے یہ انتظام بھی ہو جائے گا۔

حضور ؒ کے متعلق کتابیں' مکالمات شریف' فاضلی انوار الٰہی' اخص الخواص اور ماہنامہ احتساب پڑھے۔ حضور ؒ کی یاد نے شوق کو جلا بخشی۔ ماہنامہ احتساب میں ایسے جواہر پارے بھی ہیں جو درج بالا کتابوں میں شامل نہیں اور ماہنامہ احتساب نایاب ہے۔ جناب متین رفیق ملک صاحب نے مہربانی فرمائی اور کافی تعداد میں یہ ماہنامے مہیا فرمائے۔ سوچا کہ ان ماہنامہ

احتساب میں سے اخذ کر کے اور دیگر ذرائع جو مواد فراہم کر سکے اس کو ایک کتاب میں تحریر کیا جائے۔ اس میں زیادہ تر ماہنامہ احتساب شکریہ کے لائق ہے۔ اس لیے بشکریہ ماہنامہ احتساب یہ کچھ تحریر کیا گیا۔ اور دیگر ذرائع سے جو فراہم ہو سکا سب کو ترتیب دے دیا گیا۔ اس میں فیصلہ کرنا بڑا محال نظر آتا تھا یہ بات ذہن میں تھی کہ۔

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

بزرگانِ دین کے متعلق بیان کرنا معمولی کام نہیں ہوتا۔ شان سے بات بڑھادی جائے تو بھی قابلِ گرفت ہوتی اگر کم تر کردی جائے تب بھی قابلِ مواخذہ ہوتی ہے۔ قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصاً میرے جیسے پہلی مرتبہ قلم اٹھانے والے کے لیے تو یہ پہاڑ سر کرنے والی بات ہے۔ بس بزرگانِ دین کی طرف رخ کر کے یہ کام شروع کیا۔ کہیں ذہن اٹکا کہیں چلا۔ پھر سلسلہ چلتا رہا اور یہ تحفۂ فاضلی آخری منزل تک پہنچا۔ پھر بھی بندہ کو اپنی کم علمی معلوم ہے کہ طرزِ تحریر اور فقرہ بندی کے علاوہ بیانیہ اسلوب کی پابندی نہیں ہو سکی۔ بس سادہ سے انداز میں یہ عاجزانہ پیشکش پیش خدمت کی جارہی ہے۔ اگر کوئی خامی، غلطی، نقص نظر آئے تو درگزر فرمائیں کیونکہ نہ بندہ قلمکار ہے نہ لکھاری نہ مصنف نہ مولف بس شوق نے یہ کام کرنے کو ابھارا۔

بزرگانِ دین کی محبت کی کشش نے کئی مراحل میں آسانی مہیا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین کے صدقے اپنی رحمت سے کوتاہیاں معاف فرمائے۔ اور یہ تحفہ قبول فرما کر سعادتِ دارین عطا فرمائے۔ آمین

قاری حضرات بندہ کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ شکریہ

حضرت قبلہ پیر مقبول الٰہی صاحب مدظلہ العالی نے خصوصاً اور دوست واحباب نے عموماً اس کام کے لیے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ورنہ اکیلے یہ کام محال نظر آ رہا تھا۔ نظر ثانی نہیں کرائی جا سکی جیسے لکھا ویسے ہی پیش کر دیا اس لیے غلطیاں ضرور ہوں گی جو کم علمی پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائی جائیں۔ پیر مقبول الٰہی صاحب مدظلہ العالی کے مشورہ سے نام شانِ فاضلی رکھا گیا جو مناسب معلوم ہوا۔

حضرت قبلہ پیر مقبول الٰہی صاحب مدظلہ العالی کا خصوصاً اور دوست و احباب کا عموماً شکرگزار ہوں کہ اس کٹھن مرحلہ میں شفقت و رہنمائی فرماتے رہے کافی مصروفیت میں سے وقت نکال کر یہ کتاب ترتیب دی جاتی رہی۔ بزرگانِ دین کی دعا و برکت اور ربِّ ودود کے فضل و کرم سے وہ دن بھی آ ہی گیا جب یہ حتی المقدور ترتیب مکمل ہوئی اور پیشِ خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بزرگانِ دین کا ذکر سمندر کی طرح ہے جس کا کوئی کنارا نہیں بس اس

میں سے گھونٹ گھونٹ کر کے ہی آب زر جمع کیا جا سکتا ہے ورنہ ان کا مقام وہ جانیں یا جس نے ان پر عطا فرمائی ہے وہ جانے۔ ہماری نظروں سے بلند تر ہے مقام ان کا اس لیے جو بھی پیش کیا گیا اپنے کم علم کی سطح کے مطابق پیش کیا ورنہ مکمل بیان کار محال ہے۔ جو کم از کم میرے جیسے کم علم کی وسعت و علم سے بالا تر ہے جو کچھ پیشِ خدمت ہے قبول فرمایا جائے اور دعا میں یاد رکھا جائے۔

شکریہ

ساقی

دیباچہ

شیخ کامل اور ان کے متعلق اعتقاد ان کے آداب اور مقامات کے بارے میں قصیدہ رائیہ جو کہ امام ابوالعباس احمد بن محمد القرشی البکری الصدیقی "کا نظم شدہ ہے سے چند ایک اشعار کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے جو کہ مریدانِ صادقین کے لیے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں)

☆ شیخ کا اگر پتہ پوچھنا ہو تو صاحب بصیرت اور تعصب سے پاک اور اس شخص کے سوا جو دھوکا نہ کھائے ہوئے ہو کسی اور سے نہ پوچھو۔

☆ جب تک تمہارا یہ اعتقاد نہ ہو کہ پیر مربی ہے اور یہ کہ زمانہ بھر میں اس سے بہتر تربیت کرنے والا موجود نہیں اس وقت تک تو پیر کی طرف قدم نہ بڑھا کیونکہ جب پیر اوروں کی طرف مرید کی توجہ دیکھتا ہے تو اس شخص کو جس کا راہِ طریقت پر چلنا اسے محبوب ہوتا ہے اسے بھی وہ یہی کہہ دیتا ہے کہ نہ چل۔

☆ اس نفس کو شیخ کی گود میں بچہ کی طرح رکھ دے لہٰذا یہ نفس شیخ کی گود اور روک ٹوک سے دودھ چھڑانے کے بغیر نہیں نکل سکتا۔

☆ اپنے شیخ پر کبھی بھی اعتراض نہ کر کیونکہ یہ مرید کی پریشانی کے علاوہ پیر سے جدائی کا سبب بنتا ہے۔

☆ اور جو شخص باوجود اس کے کہ اسے کوئی سروکار نہیں شیخ پر اعتراض کرتا

ہے، وہ کمال کو ناقص سمجھتا ہے، حالانکہ وہ خود کچھ نہیں جانتا۔

☆ جو شخص اپنے اعتقاد میں اپنے شیخ کی موافقت نہ کرے گا تو اپنے انکار کی وجہ سے وہ انگاروں کے شعلوں سے جھلسے گا۔

☆ عقل مند مرید اپنے شیخ کے سوا کسی پر راضی نہ ہوگا۔ خواہ شیخ بظاہر حق سے اتنا ہی دور کیوں نہ ہو جائے، جتنی تاریک رات روزِ روشن سے۔

☆ شیخ کے آستانہ پر آ، کسی اور سے جان پہچان نہ رکھ اور نہ ہی اپنے شیخ کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ۔

☆ شیخ کی موجودگی میں خاموش رہو اور اگر وہ کوئی بات پوچھیں تو مختصر جواب دو

☆ شیخ کی آواز سے اپنی آواز کو زیادہ بلند نہ کرو اور نہ ہی اس طرح بات کرو جس طرح گنوار لوگ کیا کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شیخ کی بارگاہ میں ایسا ہی ہونا چاہیے کہ نہ آواز بلند کرے اور نہ زیادہ ہنسے، نہ زیادہ باتیں کرے۔ ہاں اگر شیخ اس سے کھل جائیں، تو آواز بلند کر سکتا ہے کیونکہ جب وقار دل میں گھر کر لیتا ہے تو زبان کو باندھ دیتا ہے۔ بعض اوقات مرید کے دل میں شیخ کا اس قدر احترام و وقار پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ شیخ کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔

☆ شیخ کے پاس بیٹھ کر قہقہہ لگا کر مت ہنسو، یہ تمام برائیوں سے بڑھ کر

برائی ہے۔ تلاش کر کے دیکھ لو کہ آیا یہ بہت بڑی برائی ہے یا نہیں۔

☆ شیخ کی موجودگی میں سجادہ بچھا کر نہ بیٹھ اس لیے کہ نیک خدام کا کام خدمت گزاری میں دوڑ دھوپ کرنا ہی ہے۔ اور صوفی کا سجادہ تو اپنی رہائش کی جگہ میں ہونا چاہیے۔ اپنا گھونسلا تو اسی وقت بنے گا جب تو اس شیخ کے گھونسلے سے اڑ کر چلا جائے گا۔

☆ اگر تجھے کشف ہو تو اس میں بھی شیخ کی طرف رجوع کر اسلئے کہ وہ بخوشی تمہارے کشف کی وضاحت کر دے گا۔

☆ جو شخص اللہ کی طرف صدق دل سے رجوع کرنے میں کسی مرتبہ کو پہنچ جائے وہ اپنے افعال میں عیب ہی عیب دیکھتا ہے حالانکہ وہ بے عیب اور بے گناہ ہوتا ہے حضور فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں جو دنیا دار علماء کی صحبت میں بیٹھتا ہے اسے لوگوں میں عیب نظر آتے ہیں اپنا آپ اچھا نظر آتا ہے جب کہ اہل حق کے پاس بیٹھنے والوں کو اپنے میں عیب نظر آتے ہیں اور لوگ بھلے دکھائی دیتے ہیں۔

☆ تمام مہمات میں اسی کی طرف بھاگ کر جا کیونکہ تجھے اسی بھاگنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مرید کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ کریمی کی طرف

کھول رکھا ہے۔ اسی دروازے سے اللہ کی بارگاہِ کریمی میں داخل ہو سکتے ہیں اسی سے نکل سکتے ہیں اور اسی دروازے کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور مرید کو چاہیے کہ اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات شیخ کے سامنے پیش کرے۔ شیخ انہیں اللہ کے حضور میں پیش کرے گا اور جس طرح مرید شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مرید کی خاطر شیخ اللہ کیطرف رجوع کرے گا۔ شیخ کے لیے بیداری اور خواب میں مکالمہ اور محادثہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اسی لیے شیخ مرید میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف نہیں کرتا کیونکہ مرید اس کے پاس اللہ کی امانت ہے ۔ شیخ مرید کی حاجتوں کے لیے اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح فریاد کرتا ہے جس طرح ذاتی ضروریات اور دنیاوی اور اخروی مہمات کے لیے کرتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے مگر بذریعہ وحی یا پسِ پردہ یا اس طرح کہ اس کے پاس فرشتہ بھیج دے۔ (سورۃ شوریٰ ۵۱) چنانچہ فرشتہ آنا اور وحی تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور پسِ پردہ کلام بذریعہ الہام یا بذریعہ ہاتف یا خواب وغیرہ میں یہ شیخ کے لیے ہے۔

نیز آپ ؒ فرماتے ہیں شیخ کے آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب مرید شیخ سے کوئی بات دنیا یا دین کے متعلق کرنا چاہے تو جب تک اسے معلوم نہ ہو جائے کہ شیخ اس کی بات سننے کے لیے آمادہ ہیں ۔ شیخ سے گفتگو

کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔

ایک سچے مرید کو شیخ کے دربار میں زبان سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ شیخ خود ہی اس کی خواہش کے مطابق بات شروع کریں گے اس لیے کہ شیخ خدا سے باتیں سنکر بات کرتا ہے اور وہ صدیقین کی موجودگی میں اپنے دل کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے اور ان کے لیے بارش و سیرابی کی درخواست کرتا ہے۔ اس طرح اس کا دل و زبان قول و نطق میں ان طالبوں کے حالات کو سمجھنے میں لگا ہوتا ہے۔ جو اس کی فتوح کے محتاج ہوتے ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم ؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی صحبت میں خاموش بیٹھا جائے اور ان کی باتوں کو غور سے سنا جائے تمام سوالات کا جواب مل جائے گا۔ اس سے علم حاصل ہوتا ہے۔ جو علمِ الٰہی ہوتا ہے۔ اگر اپنی ہی کہی جائے تو جو علم کا مقام طالب کے لیے رکھا گیا ہوتا ہے وہ گزر جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ قلندر ہی کیا کہ فرشتہ گواہ ہو جائے اور قلندر کو خبر ہی نہ ہو چنانچہ جس طرح دعا کے آداب اور شرائط ہیں اس لیے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوتی ہے اسی طرح شیخ سے بات کرنے کے بھی آداب و شرائط ہیں اس لئے کہ یہ اللہ سے معاملہ کرنا ہوتا ہے۔ مرید کو شیخ سے کلام کرنے سے پہلے اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اسے پیر کا مناسب ادب بجالانے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ نے بزرگانِ دین کا مقام فرشتہ سے بلند رکھا ہے۔ فرشتوں سے انسان کو سجدہ کروایا گیا نہ کہ انسان کو فرشتہ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ فرشتہ قول اور اعمال تک ہے۔ علم اور اخلاص کا مقام فرشتے سے بالاتر ہے۔ جو انسانِ کامل کو عطا کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ قلندر ہی کیا کہ فرشتہ کو تو علم ہو جائے اور قلندر سائل کے سوال اور خیال سے بے خبر رہے۔ ایک فرشتے کو دوسرے سے کوئی فائدہ نہیں اس لیے بزرگانِ دین کا مقام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے افضل رکھا ہے۔

ایک دن شیخ عبدالعزیز دباغ مغربیؒ سے ان کے مرید علامہ احمد بن مبارکؒ عرض کرنے لگے کہ مجھے اپنے چند ایک اعمال کی وجہ سے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ آپؒ نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ انہوں نے جتنے یاد آئے کہہ دیے۔ فرمانے لگے ان باتوں سے مت ڈرو۔ لیکن تمہارے لیے سب سے بڑا گناہ تو یہ ہے کہ ایک گھڑی گزر جائے اور میرا خیال تمہارے ذہن میں نہ آئے (یعنی مرید کے ذہن میں شیخ کا خیال نہ آئے) یہی وہ معصیت ہے جو دین و دنیا میں نقصان دے گی۔

ایک واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جو ہر مرید کے لیے سبق کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی نگاہ میں اپنے شیخ کا کیا مقام و مرتبہ مدِ نظر رہنا چاہیے۔

علامہ احمد بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّد عبدالعزیز دباغ

مغربیؒ کے مریدین نے جب سے آپؒ کو دیکھا ان کے دل اوروں سے جان پہچان کرنے اور ان کی زیارت کرنے سے ٹھنڈے پڑ گئے اور بعض تو ایسا محسوس کرتے کہ انہیں اوروں کے پاس جانا منع ہے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ حضرت سیّد عبدالعزیز دباغ مغربیؒ کی زیارت کے لیے آ رہا تھا کہ راستہ میں کچھ اور لوگ اسے مل گئے اور اسے ولی صالح حضرت قاسم ابوعبریہؒ جو ایک مشہور ولی گزرے ہیں ان کے مزار کی زیارت کے لیے جانے کو کہا میں حیا کے سبب انہیں انکار نہ کر سکا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ حالانکہ مجھے وہاں جانے کی خواہش نہ تھی۔ لیکن جب مزار پر پہنچا تو پیٹ میں درد ہونے لگا اور رات بھر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ میں زیارت نہ کر سکا۔ جب دن کے وقت وہاں سے باہر آئے تو درد جاتا رہا گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ اس شخص نے بتایا کہ مجھ سے اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو میں سمجھ گیا کہ حضرت کی طرف سے توجہ کی وجہ سے ہے نیز علامہ احمدؒ فرماتے ہیں کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت کسی بزرگ کے مزار پر زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور آپؒ کے ساتھ آپؒ کے مریدوں کی ایک جماعت بھی ہوتی جو کہتی کہ حضرت ؒہم تو آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ہی ہمارا مقصود ہیں خواہ آپ کہیں تشریف لے جائیں۔ چنانچہ جب آپ مزار پر پہنچتے' تو آپ یا تو اکیلے اندر جاتے یا کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جاتے اور باقی باہر رہتے۔ اس اعتقاد پر کہ کوئی اور ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ

سکتا۔ نہ زندوں میں سے نہ مردوں میں سے۔ صرف صحابہ رضوان اللہ علیہم کو
ان پر فضیلت دیتے۔ اس لیے حضرتؒ کے سوا ان کی زندگی میں اور بعد بھی ان
کی موجودگی اور ان کی غیر موجودگی میں کسی اور کو نہ جانتے۔ گویا ہمارے پیر کی
بارگاہ تمام جہان ہے۔

علامہ احمد بن مبارکؒ فرماتے ہیں ایک شخص سے عجیب واقعہ پیش آیا
کہ حضرت کے پاس آنے سے سات سال پہلے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ
اسے صالحین کی زیارت سے روک دیا گیا ہے۔ اس سے وہ بڑا مایوس ہو گیا اور
سمجھنے لگا۔ یہ بدبختی اور شقاوتِ قلبی کی علامت ہے۔ چنانچہ وہ ایک شخص کے
پاس گیا اور عرض کیا کہ صالحین کی زیارت مجھے بوجھل معلوم ہوتی ہے۔ اس
شخص نے جواب دیا بلکہ تو انہیں بوجھل معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ اور بھی
مایوس ہوا۔ پھر ایک اور نیک آدمی کے پاس گیا اور اپنی حالت کا تذکرہ کیا۔
انہوں نے جواب دیا کبھی وہ روح بارگاہِ خداوندی میں نہیں ہوتی تو اس وقت
قبر میں موجود ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جب تو مزار پر جاتا ہو اس وقت اس کی
روح بارگاہِ ایزدی میں ہوتی ہے اور قبر میں نہ ہوتی ہو۔ جس کی وجہ سے تجھے
انس حاصل نہ ہوتا ہو اور وحشت سی ہو جاتی ہے۔ یہ کلام سن کر اسے قدر تسلی
ہوئی مگر پھر بھی کہنے لگا کہ جب بھی زیارت کے لیے آؤں ولی قبر میں نہ ہو تو یہ
بھی تو ایک قسم کی بدبختی ہے لیکن وہ حضرت عبدلعزیز دباغؒ کی خدمت میں آیا

سب سے اہم وضروری سوال اس نے یہی کیا کہ حضرت! صالحینؒ کی زیارت مجھے بوجھل معلوم ہوتی ہے میں نے فلاں بزرگ سے بھی اس کی شکایت کی اور انہوں نے جواب دیا پھر فلاں سے شکایت کی تو انہوں نے یوں کہا اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرتؒ نے ایک دکان میں گلاب کا پھول لٹکتا ہوا دیکھ کر فرمایا اگر یہ دکاندار ہر ایک کو اس پھول کو پکڑنے دے اور ہاتھ لگانے دے تو یہ کملا کر خشک ہو جائے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ وہ اسے ہر ایک کے ہاتھوں سے بچائے اس سے میں سمجھ گیا کہ حضرتؒ سے ملاقات کرنے کی خاطر کئی سال پہلے سے ہی مجھے اوروں کی زیارت سے روک دیا گیا ہے۔

حضرت سید عبدالعزیز دباغؒ کے مریدوں میں سے ایک شخص کو ایک بزرگ میں بہت اعتقاد اور محبت تھی اور وہ اکثر ان کی زیارت کو جایا کرتا۔ اس طرح ان کی محبت میں اپنے سات سال گزر گئے۔ یہاں تک کہ ان کی محبت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی اور اس نے عہد کر رکھا تھا کہ ان کی وفات کے بعد بھی وہ کسی اور سے ملاقات نہ کرے گا۔ اسے لیے کہ اس کا خیال یہی تھا کہ کوئی اور ان جیسا ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن جب وہ حضرت عبدالعزیز دباغؒ کی خدمت میں آیا اور ابھی تھوڑی دیر ہی آپ کے پاس بیٹھا تھا کہ وہ اس ولی کی زیارت کے لیے ہی نہ جا سکا اس نے حضرت سے کہا کہ میں نے عجیب بات دیکھی ہے۔ مجھے فلاں بزرگ سے بے حد محبت تھی اور مجھے یقین تھا کہ کوئی اور

ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ لیکن آپ کے پاس ابھی ایک گھڑی بیٹھا ہوں کہ یہ سب کچھ زائل ہو گیا۔ حالانکہ نہ ان کا ذکر ہوا اور نہ کوئی ایسی بات ہوئی جس کی وجہ سے ان کی محبت جاتی رہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ بزرگ ولی تھا اور تیری محبت بھی سچی تھی لیکن اس محبت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت نے داستان بیان فرمائی کہ ایک چھوٹا بچہ ہو جو اپنے باپ سے جدا ہو گیا ہو۔ اسے ایک شخص نے اپنی تربیت میں لے لیا ہو۔ چنانچہ یہ بچہ اسے بھی ابا کہہ کر پکارتا ہو اور اس سے اپنے باپ کی طرح محبت کرتا ہو۔ تا آنکہ بچہ بڑا ہو جائے اور اس پر تقریباً سات سال کا عرصہ گزر جائے۔ اس کے بعد اس کا حقیقی باپ آ جائے اور اپنے بیٹے کو اس پالنے والے باپ کے گھر کے صحن میں بیٹھا دیکھے اور کچھ دیر سامنے کھڑا رہنے کے بعد گزر جائے۔ تو صرف اتنی سی بات سے ہی بچے کا تمام میلان اپنے حقیقی باپ کی طرف ہو جائے گا اور اپنے تربیت کرنے والے باپ سے اسے قطعاً محبت نہ رہے گی۔ لہٰذا کوئی شخص اس کے دل میں اس کے حقیقی باپ کی جگہ نہ لے سکے گا۔ حالانکہ اس سے پہلے اسے یہی خیال تھا کہ اس کی تربیت کرنے والا شخص ہی اس کا باپ ہے۔

اپنے پیر سے سچی محبت اور عقیدت وایمان کا ثمرہ اس واقعہ سے روشن ہوتا ہے جو حضرت مولوی محمد یوسف صاحب صادق آبادی نے اپنے ایک وعظ

میں ارشاد فرمایا کہ سید عبدالعزیز دباغؒ کا ایک مرید ایک جہاز پر سوار ہوا۔ سفر کے دوران طوفان سے جہاز ٹوٹ پھوٹ گیا۔ مسافر کئی ڈوب گئے کئی غوطے کھانے لگے کسی کو کنارا نصیب ہوا کسی کو نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کو حکمِ خداوندی ہوا کہ جاؤ سید عبدالعزیز دباغؒ کا مرید پانی میں ڈوب رہا ہے اس کو کنارے لگا دو۔ حضرت خضر علیہ السلام پہنچ گئے۔ انہوں نے مرید سے کہا کہ میرا بازو پکڑ لو۔ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ تمہیں کنارے پہنچانے آیا ہوں۔ مرید نے کہا کہ بے شک تم مقبولِ خدا ہو۔ لیکن میں سید عبدالعزیز دباغؒ کا مرید ہوں۔ اس لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں تمہارا بازو پکڑوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تم ڈوب جاؤ گے میرا بازو پکڑ۔ اس نے کہا اگر ڈوبوں گا تو اپنے پیر کا ڈوبوں گا۔ میں تمہارا بازو پکڑنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔ میں نے آج دیکھنا ہے کہ میرا پیر آتا کہ نہیں آتا۔ حضرت عبدالعزیز دباغؒ کی فوراً جلوہ گری ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے مرید تم نے مریدی کا حق ادا کر دیا۔ اب میں پیری کا حق ادا کرتا ہوں۔ میرا بازو پکڑ۔ اس نے بازو پکڑ لیا تو کنارے پہنچ گیا۔ یہ ہے اپنے پیر سے عقیدت اور محبت۔ کہ کسی اور پر بھروسہ نہ ہو۔ ہر کسی کے پیچھے لگ جانے والے اس واقعہ سے سب کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ حضور فضل شاہؒ فرماتے ہیں کہ کرامت کسی طور پر دوسرے مذہب میں بھی جاری ہے۔ اس لیے کرامت دیکھ کر ہی ہر ایک کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔

اس مرید نے بھی حضرت خضرؑ سے کہا کہ آپ اپنے مقام پر چلے جائیں میں تمہارا ہاتھ ہرگز نہ پکڑوں گا۔ اپنے پیر کے سوا سب سے آسرے اور سہارے ختم کر دیے جائیں۔ تو یہ محبت ہے۔

عقلمند مرید اپنے شیخ کے سوا کسی پر راضی نہ ہوگا۔ اپنے شیخ کے سوا کسی اور سے خوش نہ ہوگا۔ یہی ایمان رکھے گا کہ ہمارے پیر کی بارگاہ تمام جہان ہے وفات کے بعد بزرگانِ دین کے فیض میں طغیانی آ جاتی ہے۔ اس لیے ان سے وصال کے بعد بے تعلق ہو کر کسی اور کا ہو جانا عقلمندی نہیں ہے۔

علامہ احمد بن مبارکؒ فرماتے ہیں جب شیخ عبدالعزیزؒ کی وفات ہوگئی تو میں اکثر ان کی زیارت کے لیے جاتا۔ (یعنی روضہ کی زیارت کو) ایک مرتبہ خواب میں آئے اور فرمایا کہ قبر میں بھی میری ذات حجاب میں نہیں ہے۔ بلکہ تمام دنیا میں چلتی پھرتی رہتی ہے۔ جس جگہ بھی تو مجھے تلاش کرے، تو مجھے وہیں پالے گا مگر خبردار کہیں یہ خیال تمہارے دل میں نہ آ جائے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اس لیے کہ پروردگار دنیا کے اندر محصور نہیں ہے اور میں تو محصور ہوں۔ حضرت نے یہ الفاظ خواب میں فرمائے۔ اسی طرح زندگی میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات تمام جہان میرے پیٹ کے اندر ہوتا ہے ایک اور مرتبہ فرمایا کہ مومن کی نگاہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس حلقہ کی مانند ہوتی ہیں جو جنگل میں پڑا ہو۔

سورۃ آل عمران نمبر 144 کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

"اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں۔ان سے قبل رسل ہو چکے تو کیا اگر ان کا وصال ہو یا وہ شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو اس سے اللہ تعالی کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو جلد ہی جزا دے گا۔

اس کی تفسیر کچھ اس طرح ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت سے تبلیغ کا کام مکمل ہوا۔آپ سے قبل بھی رسول تشریف لائے اور ان کے بعد ان کی اتباع کرنے والے دین پر استقامت سے رہے۔

شاہد سے جس طریق زندگی کا شرف عطا ہو اس پر اس کے وصال کے بعد اس کے ارشاد کے مطابق پورے رہنا اتباع کرنے والوں پر لازم ہوتا ہے اور یہی اکمل اتباع کی سند ہے۔حضور اکرم ﷺ کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم ماننے والوں کی شان تو یہی ہے کہ وہ استقامت سے اس صراطِ مستقیم پر رہیں۔اگر شاہد کے وصال کے بعد کوئی اس کی راہ سے پھر جائے تو پھر جانے والے کی تسلیم باطل ہو جائے گی۔اور اس سے اسی کو نقصان ہوگا۔اللہ تعالی بے نیاز ہے اسے کچھ ضرر نہ ہوگا۔

اسلئے پورا پورا ساتھ یہ ہے کہ شاہد کے سامنے بھی اسے مانا جائے۔ اس کے وصال کے بعد بھی اسے مانا جائے۔ یہ شاکرین کی صف میں شمار

ہونے کی راہ ہے اور شاکرین پر آسانیوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

علامہ احمدؒ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سے سنا کہ شیخ کا مرید کے لیے وہی درجہ ہوتا ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہے۔ چنانچہ مرید کے ایمان کا تعلق شیخ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے تمام دینی اور دنیاوی امور کا بھی۔ اربابِ بصیرت اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ایک بزرگ نے اپنے شیخ سے محبت کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ شیخ کی طرف سے ہوتی ہے یا مرید کی طرف سے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مقناطیس چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے نہ کہ چیزیں۔ یہی حال مرید اور شیخ کا ہے کہ شیخ کی طرف سے محبت کی شعاعیں مرید پر پڑتی ہیں تو اسے گھیر کر شیخ کی طرف لے آتی ہیں۔ گویا شیخ مقناطیس کی طرح کشش کرتا ہے اور مرید چیز کی طرح کھنچا چلا آتا ہے۔ اگر شیخ یہ کشش روک دے تو مرید جوں کا توں رہ جائے۔

جب محبتِ شیخ کی شعاعیں اسے گھیر کر شیخ کی طرف لے آتی ہیں تو اسے ہر ایسی بات سے بچا لیتی ہیں۔ جس سے قطع تعلق پیدا ہوتا ہے لہٰذا جب یہ قائم ہیں تو ربط بھی قائم رہے گا۔ اگر منقطع ہو گئیں تو تعلق بھی منقطع ہو جائے گا

ایک شیخ کا ایک مرید تھا جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتا۔ پانچوں وقت

نمازیں ان کے ساتھ پڑھتا تھا اور کسی وقت بھی غائب نہ ہوتا۔ مگر ساتھ ہی اس کا خیال یہ تھا کہ یہ اس کی اپنی محبت کی وجہ سے ہے جو اسے شیخ سے ہے نہ کہ شیخ کی اس سے محبت کی وجہ سے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ نے کہا' کیا تجھے مجھ سے محبت ہے۔ مرید نے جواب دیا۔ حضرت میری محبت کی وجہ سے ہی یہ اتصال ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا' تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اس دن سے وہ شیخ کے پاس نہ جا سکا۔ یہاں تک کہ پورا ایک سال گزر گیا اور شیخ کی خدمت میں رہنا تو در کنار وہ ان کو دیکھ بھی نہ سکا۔ تا آنکہ شیخ نے اسے معاف کر دیا۔

ایک پیر نے اپنے مریدوں سے کہا کہ کیا تم کو مجھ سے محبت ہے تو انہوں نے جواب دیا آپ سے بڑھ کر ہمیں کون عزیز ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا۔ کیا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مریدوں نے جواب دیا! ہمیں معلوم نہیں۔ فرمایا۔ تم نے کوئی کام کی بات نہیں کی۔ پہلے تو مجھے ہی تم سے محبت ہوئی اور جب اس کے انوار کی روشنی تم پر پڑی تو تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو گئی۔

حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں کہ جتنا محبت کا تعلق گہرا ہو گا اتنی ہی نیک اعمال میں کثرت ہو گی۔ محبت کی کمی نیک اعمال میں کمی کا باعث بنتی ہے وہ عمل بے جان ہے جس میں محبت اور تڑپ نہ ہو۔

محبت کی دنیا میں سب کچھ حسین ہے
محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

لہٰذا محبت شریک نہیں چاہتی۔ مخلوق کی طرف ہرگز نگاہ نہ کر۔ کیونکہ یہ صاف اور آزاد کو مکدر و مقید بنا چھوڑے گی۔

سید عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل نہ ہو وہ اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور جسے اپنے شیخ کی معرفت حاصل نہ ہو وہ رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور جس شخص نے لوگوں پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو وہ شیخ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا جب لوگ اس کی نظروں سے اتر جائیں اور وہ اپنے تمام اقوال، افعال اور حالات میں ان کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ اسے اللہ کی رحمت ایسے آئے گی کہ اسے پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں سے آئی ہے۔ شیخ کو بھی وہی شخص پسند ہے جو لوگوں کی نظروں کی پرواہ نہ کرے۔ محبتِ شیخ ہی نیک اعمال کی کسوٹی ہے۔ جتنی شیخ سے محبت زیادہ ہوگی نیک اعمال بھی کثرت سے سرزد ہوں گے۔ اور جتنی محبت کم ہوگی نیک اعمال میں کمی آ جائے گی۔

علامہ احمد بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ عبدالعزیز دباغؒ سے شہر فاس میں ابنِ عامر کے محلہ میں گفتگو کر رہا تھا کہ شیخ نے فرمایا اس وقت حضرت منصورؒ راس الارب میں ہیں کیا ان سے ملنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا کہ ضرور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں قطب سے نہ ملوں۔

آپؒ نے فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ

تمہارے والدین کے ہاں تمہاری شکل تمہارے جیسی صفت تمہارے جیسے علم اور تمہارے جیسے تمام ظاہر اور باطنی اوصاف والے سو اور بھی ہوں تو میں ان میں سے کسی ایک کی طرف بھی نہ دیکھوں گا۔ میرے لیے تم ہی ہو گے اور وہ میرے لیے عام لوگوں کی طرح ہونگے۔ یہ الفاظ سن کر میں غفلت سے بیدار ہوا اور گویا میری آنکھ کھل گئی اور سمجھ گیا کہ میں نے ٹھیک بات نہیں کی۔ اسلیے کہ محبت شریک کو قبول نہیں کرتی۔ اگر مرید کو شیخ کے ساتھ محبت محض نورِ ایمان کی وجہ سے ہو تو شیخ اس کو ہر حالت میں مدد پہنچاتا ہے خواہ شیخ موجود ہو یا نہ ہو۔ بلکہ شیخ کی وفات کے بعد بھی ہزاروں برس کیوں نہ گزر جائیں تب بھی فیض جاری رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے اولیاء آنحضرت ﷺ کے نورِ ایمان سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان کو ترقی دیتے رہتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے رہتے ہیں۔ محبت کسی فاصلے کو نہیں جانتی ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں کہ مرید اگر ہزاروں میلوں کی مسافت پر بھی ہو تو مرشد کی نظر میں ایسے ہوتا ہے جیسے سامنے بیٹھا ہوا گر یہ صورت نہ ہو تو مرید کی اصلاح و تربیت نہیں ہو سکتی۔ اور اسے مشکلات سے نکلنے میں مدد بھی نہیں دی جاسکتی۔ آپؒ فرماتے ہیں

محبت کی پہچان یہ ہے کہ جس کو محبت ہو وہ متحرک ہو گا جس کو محبت نہ ہو

وہ ساکن ہوگا۔ محبت ہی اعمال کی جان ہے۔

اس لیے کہ اولیاء کی محبت محض ان کے نورِ ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ فیض پہنچتا ہے۔ اگر مرید کو شیخ کی محبت صرف اس کی ذات کی طرف سے ہو اور نورِ ایمان سے نہ ہو تو اسے پیر کی حاضری میں تو فیض پہنچے گا مگر غیر حاضری سے فیضان منقطع ہو جائے گا۔ ذات کی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبت دنیوی یا اخروی نفع حاصل کرنا یا ضرر سے بچنے کی غرض سے ہو اور ایمان کی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبت محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو۔ اس میں کسی قسم کی آلائش اور غرض نہ ہو۔ لہذا جب مرید شیخ کی غیر حاضری کی وجہ سے اپنے اندر کمی محسوس کرے تو قصور خود اس مرید کا ہے نہ کہ شیخ کا۔

حضور فضل شاہ قطب عالم ؒ فرماتے ہیں شیخ کامل حیاتِ ظاہری میں ایسے ہوتا ہے جیسے تلوار نیام میں۔ بہت سوچ کر قدم چلنا پڑتا ہے۔ لیکن وصال کے بعد ان کے فیض میں طغیانی آ جاتی ہے۔ گویا تلوار نیام سے باہر آ جاتی ہے

ایک شیخ کا ایک مرید تھا۔ جسے شیخ سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ اس مرید کے ذہن وفکر میں ہر وقت شیخ کا خیال رہتا۔ چنانچہ جب شیخ اپنے گھر میں بیٹھا کوئی کام کرتا تو مرید اپنے گھر میں اسکی نقل اتارتا۔ جب شیخ اپنے گھر اپنی بیٹی فاطمہ کو بلاتا تو مرید بھی فاطمہ کہہ کر پکارتا۔ جب شیخ کہتا یوں کرو تو مرید بھی اپنے گھر میں یہی کہتا۔ جب شیخ اپنی پگڑی سر پر لپیٹتا تو مرید بھی کوئی

چیز لے کر سر پر لپیٹنے لگ جاتا۔ اپنے شیخ کے حالات کے ساتھ اس کا ہر وقت یہی حال تھا۔ اسی کمالِ محبت سے مرید شیخ کا وارث ہوتا ہے۔

حضور فضل شاہ قطب عالمؒ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ محبت میں بظاہر وجود دو ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت ایک ہوتی ہے۔ محبّ کو دیکھنے سے محبوب کا پتہ چلتا ہے۔ محبوب کو دیکھنے سے محبّ کا پتہ چلتا ہے۔ جو محبوب کے ہاں ہو رہا ہوتا ہے محبّ کے ہاں بھی وہی ہو رہا ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک سکھ سردار کو جو قرآن پاک پڑھنے کی اجازت لینے حضرت میاں خدا بخشؒ کی خدمت میں آیا تھا۔ حضرت میاں خدا بخشؒ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی اجازت میاں فضل کریم صاحب ہی دیں گے۔ ان سے اجازت لے لو پھر فرمایا ہم تیرے ساتھ ان کے پاس چلتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ اس وقت حضرت میاں خدا بخشؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں فضل کریم یہ سردار قرآن پاک کی اجازت لینے آیا ہے۔ تو حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ نے فرمایا کہ اس کو قرآن پاک کی اجازت نہیں دی جا سکتی جو آپ کے پاس آنے جانے کے باوجود اسی مقام پر ہے جہاں پہلے تھا تو میاں صاحب نے فرمایا کہ سنا ہے سردار! کہ میاں فضل کریم کیا فرما رہے ہیں تمہیں اجازت اس وقت ملے گی جب تم گرو بننے کی چاہت سے پاک ہو گے۔ اب اگر ہمیں دیکھنا ہو تو میاں

فضل کریم کو دیکھ لینا۔ ان کو دیکھنا ہو تو ہمیں دیکھ لینا یعنی وجود و حقیقت ایک

جب مرید کی طرف سے محبت قوی تر ہوتی ہے تو شیخ کو اس کی طرف اس قدر کشش ہوتی ہے کہ اس کی حالت وہی ہو جاتی ہے کہ مرید کی ذات شیخ کا مسکن بن جاتی ہے۔ اور ہر شخص اپنے مسکن کو خوبصورت بناتا ہے۔ جب کسی مرید کو شیخ سے کامل محبت ہو جاتی ہے تو شیخ مرید کی ذات میں اس طرح سکونت پذیر ہوتا ہے جس طرح حاملہ کے پیٹ میں بچہ۔ چنانچہ کبھی حاملہ کا حمل پورے طور پر ٹھیک رہتا ہے تا آنکہ وضع حمل ہوتا ہے اور کبھی اسقاط حمل ہو کر کچھ بھی نہیں رہتا کبھی بچہ سو جاتا ہے اور پھر بیدار ہو جاتا ہے۔ افاقہ کی بھی مختلف حالتیں ہیں کبھی ایک ماہ بعد افاقہ ہوتا ہے کبھی سال بعد اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد۔ یہی حال مرید کا ہوتا ہے جب وہ شیخ کا حامل ہو۔ چنانچہ اس کی محبت کامل اور دائمی ہوتی ہے جس سے شیخ کے کمالات متواتر اس میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسے فتح نصیب ہو جاتی ہے۔

اور کبھی مرید کی محبت صادق ہونے کے بعد کسی مانع کے پیش آنے کی وجہ سے منقطع ہو جاتی ہے۔ جس سے شیخ کے بارے میں مرید کی نیت بدل جاتی ہے اور شیخ کے اسرار اپنی شعاعیں دینے کے بعد اس کی ذات سے منقطع ہو جاتے ہیں اور جب محبت لوٹ آتی ہے تو اسرار بھی لوٹ آتے ہیں۔ مرید کو چاہیے کہ اپنی حالت کا امتحان کرلے کہ وہ ان تینوں قسموں میں سے کس قسم کا

مرید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور توفیقِ ہدایت مانگنی چاہیے۔

اگر مرید کو شیخ سے اس کی ولایت وغیرہ کی وجہ سے محبت ہو تو اس کو اس محبت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا جب تک کہ یہ محبت بغیر کسی غرض کے ذاتِ شیخ سے نہ ہو۔ جس طرح بچوں کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ محض الفت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی محبت مرید اور شیخ کے درمیان ہونی چاہیے تاکہ یہ محبت مرید کو اغراض کی طرف نہ لیجائے کہ اغراض کے آنے سے شیطانی وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس سے کبھی محبت منقطع ہو جاتی ہے اور کبھی رک جاتی ہے۔

جو مرید ہر وقت اپنے شیخ کی محبت و خیال اور فکر میں مگن رہے اسے مشاہدہ فکر یہ حاصل ہو جاتا ہے۔ فاصلے منقطع ہو جاتے ہیں۔ مرید اور شیخ کے درمیان اسی قسم کی محبت ہونی چاہیے۔ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

شیخ کے آستانہ پر آ، کسی اور سے جان پہچان نہ رکھ اور نہ ہی اپنے شیخ کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ۔

اس قسم کے ادب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مرید کو شیخ کے ساتھ استغراق حاصل ہو جائے گا اور مرید اسی کا ہو لے گا۔ اور شیخ کے اسرار حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی ذات سے غائب ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے ادب بجا لانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کا اچھا پھل ملے گا۔

اس قسم کا ادب اسی وقت مرید کر سکتا ہے کہ جب شیخ کیطرف سے بھی باطنی کشش پائی جائے۔ کیونکہ جب شیخ کی محبت کی شعاعیں مرید پر پڑتی ہیں تو اسے گھیر کر شیخ کی طرف لے آتی ہیں اور اسے ہر ایسی بات سے بچا لیتی ہیں جس سے قطع تعلق پیدا ہو جائے جب یہ قائم رہیں گی اتصال بھی قائم رہے گا اگر منقطع ہو گئیں تو تعلق بھی منقطع ہو جائے گا۔

شیخ کی ساتھ محبت کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ مرید کی راحت ذاتِ شیخ میں ہو کہ اسی کی فکر ہو اسی کے لیے زندہ ہو اسی پر فریفتہ ہو اسی سے خوش ہو اور اسی کا غم ہو۔ حتیٰ کہ ظاہر و باطن میں موجودگی اور عدم موجودگی میں اس کے تمام حرکات و سکنات ذاتِ شیخ اور اس کے متعلقات کی خاطر ہو اور وہ اپنی ذات اور اس کی بہبود کی پرواہ نہ کرے۔

دوسری علامت شیخ کا ادب و تعظیم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ شیخ کنویں میں ہے اور مرید پہاڑ کی چوٹی پر تو اس کے دل پر شیخ کی تعظیم کے کثرتِ غلبہ کی وجہ سے اسے یوں معلوم ہو کہ وہ خود کنویں میں ہے اور شیخ پہاڑ کی چوٹی پر۔

حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں کہ جس طالب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت کا پیر عطا ہو جائے، پھر جس وقت اس کو طریقت کا پیر عطا ہو جاتا ہے وہ شریعت کے پیر کا شکریہ ادا کرتا ہے اور پیرِ طریقت سے حال کا

فائدہ اٹھاتا ہے۔جس محب کو پیر حقیقت عطا ہو جاتا ہے وہ پیر طریقت کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور پیر حقیقت سے معرفت کا فائدہ اٹھاتا ہے۔

جو بزرگ جزوی ہیں ان پر اکیلا اکیلا مقام جاری رہتا ہے یعنی عبادت اور صفت وثنا۔ یہ دونوں مقام حقیقی حقائق کے جزو ہیں۔ پہلا مقام جزو ہے۔دوسرا مقام جزوِ اعظم ہے اور تیسرا مقام کُل ہے۔جس صاحب کو پیرِ کُل عطا ہو جاتا ہے اس صاحب کے پہلے دونوں مقام جزو اور جزوِ اعظم' جزو ہو جاتے ہیں اور کُل اس کو عطا ہو جاتا ہے۔اسلیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کُل ہے۔جو اس کا ہو جاتا ہے وہ کُل کُل ہو جاتا ہے۔صاحبِ تصرّف پر بیعت ہر مقام پر اور ہر وقت جاری رہتی ہے۔حقیقتاً منشاء کُل ہے اور جس وقت تک سالک کو کُل عطا نہ ہو اس وقت تک مدارج طے کرتا رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کُل عطا ہونے کے بعد دوبارہ جزو اور اعظم کی تلاش نہ کرتا پھرے۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ کرامت دیکھ کر ہی ہر ایک کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔ جسے سمندر مل جائے اسے ندی' نالوں سے کیا کام۔اس لیے ہر ایک کے پیچھے مارے مارے پھرنے کی بجائے ایک کُل کا ہو کر بیٹھ جائے۔ایک کے آگے نیک۔جس کو کُل عطا ہونے پر تسلی نہ ہو اس کو کہیں بھی تسلی نہ ہوگی۔اس کی تسلیم بے معنی ہوگی۔اس لیے کُل عطا ہونے کے بعد حیاتِ ظاہری میں بھی اور ان کے وصال کے بعد بھی تسلیم بڑھتی رہے تب تسلیم

ہے۔ شاہد کے سامنے اور غیر موجودگی میں ایک جیسی تسلیم ہو۔ وصال کے بعد کسی اور کا ہو جانا ایفائے عہد نہیں نہ یہ مردانگی ہے۔

بھانویں سوہنے ملن ہزاراں اساں نہیں یاروٹوناں

بس یہی عقیدہ ہو بلکہ ایسا راسخ العقیدہ ہو کہ یہی کہتا رہے کہ

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

خاکپائے بزرگانِ دین
عبدالقیوم ساقی
۲۷/اکتوبر۲۰۰۲ء اتوار
۲۰/شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

حضور پر نور حضرت میاں خدا بخش صاحبؒ

کتاب کی ابتداء حضور پر نور حضرت میاں خدا بخش صاحبؒ کے ذکرِ عالیہ سے مزیّن کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ چونکہ درحقیقت یہ کتاب حضرت میاں صاحبؒ کے کھلائے گئے سدا بہار پھول حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ کی سوانح حیات، حالات اور ملفوظات پر مبنی ہے۔ اس لیے بہتر سمجھا کہ اس ہستی کے مرشد کریم یعنی حضرت میاں صاحبؒ کے ذکرِ پاک کو سب سے پہلے اس کتاب کی زینت بنایا جائے۔ تاکہ اس منبع رشد و ہدایت کا تعارف ہر خاص و عام کو حاصل ہو سکے جن کا یہ سلسلہ خیر جاری و ساری ہے۔

پیدائش: حضور پر نور حضرت میاں خدا بخشؒ کاملِ اکمل، سرتاجِ اولیاء قطب الاقطاب ہیں کی ولادت باسعادت جالندھر شریف میں سن بارہ سو پندرہ ہجری میں ہوئی۔ آپ ارائیں خاندان کے چشم و چراغِ بے مثال ہیں۔

سیرت و صورت:

اسم صفت دا پردا پا کے جلوہ یار دکھائی دا
لوکاں بھانے بشری صورت سانوں رخ الٰہی دا

آپ بچپن ہی میں کم گو، سنجیدہ، راست باز، عابد و زاہد اور متقی مردِ

درویش ہوئے ہیں۔ آپ مادرزاد ولی ہیں۔ بچوں کے ساتھ کھیل کود سے احتراز کرتے رہے۔ اگر کبھی بچے کھیلنے کو ساتھ لے جاتے تو ساتھیوں سے فرماتے کہ ہم کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ آپ اکثر ذکر وفکر میں مشغول رہتے اور غلبہ حال میں رہتے۔ بچپن ہی سے شب بیداری آپ کا معمول رہا ہے۔ ہر وقت اور ہر حال میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔

ایک مرتبہ اوائل عمر میں آپ کی آنکھیں دکھنے آ گئیں۔ طبیب نے مشورہ دیا کہ وضو نہ کریں ورنہ آنکھوں کی تکلیف میں اضافہ کا خطرہ ہے پانی لگنے سے آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ آپ نے فرمایا ایسی آنکھیں خراب ہوتی ہوں تو سو دفعہ خراب ہوں لیکن فرض وسنت کی بجا آوری نہایت ضروری ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہونے والا تھا۔ آپ نے وضو کیا آنکھیں وضو کرنے پر بالکل درست ہو گئیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں کبھی دکھی ہی نہیں۔

تمام رات عبادت، آہ وزاری اور تلاوتِ قرآن پاک میں گزرتی تھی یہ جذبہ عالمِ شباب میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور اسی عالم شباب میں آپ کو حضور پرنور پیرانِ پیر دستگیر غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی ؒ کا بلاوہ بغداد شریف سے آیا۔ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ چالیس سال تک حضور غوث الاعظم ؒ کے روضہ مبارک پر چکر لگاتے رہے۔

روضہ مبارک پر چالیس ابدال ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ تقسیم کے

تین مقامات جاری ہیں کسی کو سات سال بعد کسی کو چودہ سال بعد اور کسی کو چالیس سال بعد فارغ کیا جاتا ہے۔ سات سال کے بعد جزؤ چودہ سال کے بعد جزوِ اعظم اور چالیس سال کے بعد کُل کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔ جو فارغ ہوتا ہے اسے مشغول کیا جاتا ہے اور تبلیغِ حق کا شرف بخشا جاتا ہے۔ اعمال اور حال کی صورت سے بزرگانِ دین کی زبان، زبانِ حال بن جاتی ہے کیونکہ ان کا عمل ان کے قول کا شاہد ہوتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کے مرشدِ پاک قطب الاقطاب سرتاجِ عارفاں، غوثِ زماں حضرت احمد شرف الدین بغدادیؒ کلیدِ بغداد ہیں۔ حضرت میاں صاحبؒ کو ان کے مرشدِ پاک سے معروف کرخی کا مقام عطا ہوا اور چاروں سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی بیعت کا اذن ملا۔ معروف کرخی ایک مقام کا نام ہے جس کو وہ عطا ہو جاتا ہے اسے تصرّف بھی عطا ہوتا ہے۔ مقام جاری رہتے ہیں، نام بدلتے رہتے ہیں۔

مرشد پاک کے فرمان کے مطابق آپ جالندھر شریف میں تبلیغِ حق کے لیے تشریف لائے۔ پہلے سیّد کبیر میں آپ کا قیام ہوا۔ اس جگہ پر اولیاء کرام کے مزارات ہیں۔ پھر آپ نے جالندھر سے دو میل کے فاصلہ پر نکودر جانے والی سڑک پر ایک جگہ کو رونق بخشی، اس جگہ کا نام آباد پورہ ہوا۔ یہ بستی بن گئی تو یہ بستی میاں کی بستی یا بستی شیخ درویش کے نام سے بھی مشہور تھی۔

حضور میاں صاحب زاہد و عارف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔اس لیے لوگوں میں زیادہ معروف نہ تھے البتہ چاروں سلاسل میں بیعت کرنے کے مجاز تھے ان کے خلفاء میں حضرت احمد علی شاہ صاحب چشتی اور حاجی محمود صاحب نقشبندی بھی قابلِ ذکر ہیں۔آخرالذکر سائیں توکل شاہ انبالویؒ کے دادا پیر تھے۔سائیں توکل شاہ صاحبؒ کے مرشد قادر بخشؒ صاحب حاجی محمود صاحب نقشبندی اور آپ میاں صاحب کے یکساں ارادت کیش تھے۔حضور فضل شاہ قطبِ عالمؒ جب حضرت میاں صاحبؒ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے تو متذکرہ بالا دونوں بزرگ خلفاء وفات پا چکے تھے۔

حضرت میاں صاحب کی خدمت میں ہزاروں لوگ حاضر ہونے لگے اور آپ کا سلسلہ تبلیغ جاری وساری ہوا۔آپ کے حال کو راہِ روشن دیکھ کر کئی غیر مسلم، مسلمان ہوئے جو کسی چاہت کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتا۔آپ اس کا سوال پورا کرنے کے بعد اسے بھی دعوتِ حق دیتے اور جو حق کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتا اسے اپنے ساتھ لگا لیتے۔آپ کی محبت سے حال عطا ہو جاتا اور اس کا راستہ منور ہو جاتا۔آپ کے پاس سبھی مذاہب کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔بزرگانِ دین کا کام تو دعوتِ حق ہے۔جو اس دعوت کو مان لے اور راہِ فلاح کو اختیار کر لے وہ مومن ہے اور باعزت ہے۔آپ سے ہزاروں لوگ عزت کا شرف پاتے رہے۔

آپ پیوندکاری کا ہنر بہت اچھی طرح جانتے تھے۔آپ پیوند لگا کر دوستوں سے فرماتے کہ دیکھو جس طرح یہ پیوند اپنا اثر دکھائے گا اسی طرح جو نیک لوگوں کے ساتھ مل جاتا ہے اس کا بھی رنگ اور حال بدل جاتا ہے۔اور وہ نیک بن جاتا ہے۔اس کی محنت نئے انداز سے ثمر بار ہوتی ہے۔جس طرح پیوند لگنے سے پودے کا رنگ اور حال بدل جاتا ہے۔اب جس پودے کا پیوند لگا ہوتا ہے اسی کے ڈال پتے اور پھل پھول لگیں گے۔۔

آپ کے ہاں چونکہ غیر مسلم بھی آتے تھے۔آپ بھی اپنے قرب و جوار کی بہت خبر گیری رکھتے تھے۔ایک مرتبہ ایک ہندو لڑکی کے متعلق ان کے گھر والوں سے آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کافی عرصہ سے نظر نہیں آئی کیا وجہ ہے۔آپ کو بتایا گیا کہ اس کی شادی ہوگئی ہے۔اور اب وہ سسرال میں رہتی ہے۔آپ نے فرمایا کہ جب آئے تو اس کو ہماری طرف سے بتانا کہ میاں صاحبؒ پوچھتے تھے۔المختصر جب وہ لڑکی میکے آئی تو اسے بتایا گیا۔وہ سلام کے لیے حاضر ہوئی تو آپؒ نے فرمایا کہ سنا ہے تمہاری شادی ہوگئی ہے کسی دن اپنے میاں کو ساتھ لانا ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔اس لڑکی نے عرض کیا کہ میاں صاحب آپ کی شادی نہیں ہوئی۔چونکہ آپ مجرد رہتے تھے تمام عمر شادی نہیں فرمائی۔اس لڑکی نے بھی عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ شادی شدہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔آپ نے فرمایا میری شادی جس محبوب

سے ہوئی ہے وہ بہت حسین ہے کیا تم دیکھ سکو گی۔ اس نے ہاں کر دی۔ آپ نے اس کو نظر بھر کر دیکھا۔ تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اس کی والدہ قریب آئی اس نے ہاتھ لگا کر ہلا جلا کر دیکھنا چاہا کہ اسے کیا ہوا ہے وہ بھی ساتھ ہی ہوش گم کر بیٹھی۔ بچی کے والد اور دیگر عزیز بھی آئے۔ اور جو آتا گیا ہاتھ لگتے ہی بے ہوش ہو جاتا۔ گیارہ افراد کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا جب ان کو ہوش آیا تو سب کی زبان پر کلمہ طیبہ تھا۔ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ ان سب سے پوچھا گیا کہ کیا معاملہ پیش آیا۔ بچی نے کہا کہ جیسے ہی آپ نے نظر بھر کر دیکھا تو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور اس کیفیت میں ہوش گم کر بیٹھی۔ اسی طرح باقی افراد سے بھی یہی معاملہ پیش آیا وہ سب بتانے لگے کہ ہم ایک دوسرے کو چھوتے ہی زیارت جنابِ نبی کریم ﷺ سے مشرف ہوتے رہے اب ہمارا دین اسلام ہے۔

حضرت میاں صاحب دراز قد، قوی الجثہ، نورانی صورت، سادہ سے لباس میں سر پر کھدر کی چادر لیے رہتے تھے۔ جسم میں قوت اتنی تھی کہ سو برس کی عمر میں بھی آٹھ دس میل پیدل چلنے سے راحت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کو تین میل کے قریب جانا تھا۔ دوست بھی ساتھ تھے۔ سواری کا انتظار کرنے کی بجائے آپ پیدل چلنے لگے۔ جب وہاں پہنچ گئے جہاں جانا تھا تو دوستوں سے فرمایا یہاں تک آنے کا جو کرایہ بنتا ہے وہ جمع کرو اور فی سبیل اللہ ان

مساکین کو دے دو۔

آپ عموماً کسی کے ہاں نہیں جاتے تھے۔ اگر کبھی کسی کی دعوت ماننی ہی پڑتی تو فرماتے بھائی! ہمارے لیے ایک ہی سادہ کھانا پکانا۔ تکلف آپ کو قطعاً ناپسند تھا۔ فرماتے ہیں جس کے لیے تکلف کرنا پڑے اس کا آنا باعثِ زحمت ہوتا ہے۔ جس کے آنے سے برکت ہو اس کے لیے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ کسی شے کے لیے نہیں بلکہ شے والے کے لیے آتا ہے۔

لباس کے متعلق فرمایا کرتے کھدر جیسا کپڑا نہیں ورنہ پہن کر دیکھ لو آپ کا پورا لباس کھدر کا ہوا کرتا تھا۔ پگڑی ململ کی ہوتی۔ فرمایا کرتے مرد کو بناؤ سنگھار سے بچنا ضروری ہے کیونکہ اس کے معنی غیر کو دعوت دینے کے ہیں سیدھے سادھے رہنا چاہیے۔

کھانا نہایت سادہ ہوتا۔ سو سال کی عمر کے بعد آپ نے روٹی نہیں کھائی۔ دودھ پیا کرتے یا لسی' شربت۔ آپ فرمایا کرتے کہ کھائے ہوئے پر کھانا اچھا نہیں ہوتا۔ ورنہ کھا کر دیکھ لو۔ یعنی کھانے میں وقفہ کا لحاظ آپ کی تعلیمات میں سے ہے۔

چلتے وقت آپ کی نظر زمین پر رہتی۔ سر پر چادر ہوتی۔ کبھی دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔ آپ کی چال مبارک متوسطانہ ہوتی۔ نظر ہمیشہ

بزرگانِ دین کے قدموں کی طرف لگی رہتی۔ اکڑ کر چلتے آپ کو نہیں دیکھا گیا آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ اکڑ کر چلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رنگ مبارک شہودی تھا راستے میں جب چلتے تو جو صاحب بھی ملتا اس کو السلام علیکم کہتے۔ اکثر سلام کی پہل آپ کی طرف سے ہی ہوتی۔ راستے میں جو چھوٹے بچے ملتے ان کے سروں پر دستِ شفقت پھیرتے۔ راستے میں آپ غیر ضروری گفتگو سے احتراز فرماتے اور احباب ساتھ ہوتے تو ان کو بھی ایسی گفتگو سے منع فرماتے۔

آپ کی آنکھیں کشادہ اور حسین تھیں۔ حضور کی ناک نمناک تھی۔ دندان مبارک موتیوں کی لڑی کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ جب گفتگو فرماتے تو دانتوں کی چمک ایک غیر معمولی توجہ کا مرکز بن جاتی اور نور کی شعاعیں نکل نکل کر مخلوقِ خدا کو منور کر دیتیں۔ آپ کے چہرہ انور پر ہر وقت ایک عجیب مسکراہٹ موجود رہتی تھی۔ جسے ملکوتی تبسم کہنا بجا ہوگا۔ آپ کا سینہ مبارک نورِ معرفت سے معمور تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کیا تھا۔ لباس سادہ اور سفید زیب تن فرمایا کرتے۔ جو حال پر لباس جس حالت میں مل جاتا پہن لیتے۔ باریک لباس آپ کو ناپسند تھا۔ کھدر اور کھردرا لباس آپ کو محبوب تھا۔ تہبند، کرتہ، سر مبارک پر سفید پگڑی باندھتے۔ تہبند میں آپ دیسی لنگی جو کھڈی سے بنی گئی ہو اور سادہ سوت کی بنائی گئی ہو پسند کرتے۔

پاؤں میں دیسی سادہ جوتی پہنتے۔ایک سفید چادر اپنے اوپر ہر وقت اوڑھے رکھتے جس سے پیشانی مبارک کا اکثر حصہ چھپا رہتا تھا۔صرف آنکھیں ہی نظر آتی تھیں۔جب کوئی صاحب کبھی کوئی لباس بنا کر خدمت میں پیش کرتا تو غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔آپ کے پاس دو جوڑے رہتے تھے۔ آپ کا بچھونا بھی سادہ ہوتا آپ اکثر زمین پر استراحت فرمانا پسند کرتے۔ جب لباس پہنتے تو دائیں جانب سے پہننا شروع کرتے اور جب لباس اتارتے تو بائیں جانب سے ابتداء کرتے۔کپڑے آپ کے ہمیشہ صاف اور اجلے رہتے تھے۔

آپ کے رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے اور جاگنے سے غرضیکہ ہر پہلو میں سنتِ نبوی ﷺ کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔آپ کی سادگی اور راستبازی سے اسوہ حسنہ ﷺ عیاں تھا۔متکبرانہ لباس آپ کو ناپسند تھا۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا کہ پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی آپ نے پہنے۔اس طرح اس سنتِ نبوی ﷺ پر بھی آپ نے عملی زندگی کا ثبوت پیش کیا۔کسی بھی چیز کا اہتمام نہیں جو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوتا پہن لیتے۔

آپ بہت تھوڑا کھانا تناول فرماتے۔بلکہ اکثر فرماتے کہ زیادہ کھانا کاہلی اور سستی پیدا کرتا ہے اور اس سے یادِ الٰہی میں غفلت واقع ہو جاتی ہے آپ فقر کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جو احباب آپ کی خدمت میں کوئی پھل

وغیرہ یا کوئی چیز بطور ہدیہ پیش کرتے وہ تمام حاضرینِ مجلس میں تقسیم کردیتے۔ ہر حال میں احباب کی خوشنودی کوملحوظِ خاطر رکھتے۔ جو بھی صاحب ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر دوبارہ اس در سے جدا نہیں ہوا۔

آپ ہر ایک کے ساتھ خواہ بچہ ہو یا عمر رسیدہ' خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اور حسنِ اخلاق کے مکمل جامع تھے۔ مزاج شریف میں برداشت اور حلم بہت زیادہ تھا۔ کبھی بھی آپ کے چہرہ انور پر ناراضگی اور خفگی کے تاثرات نہیں پائے گئے۔ بلکہ فرمایا کرتے کہ مخلوقِ خدا سے حسنِ سلوک سے رہو اور اخلاقِ حسنہ کے جامع بنو۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔

آپ کم کھانا' کم بولنا اور کم سونا جیسے اصول پر پابندی فرماتے۔ سادہ الفاظ اور جامع الفاظ میں طویل کلام کو ادا کرتے۔ آپ کو بلند آواز سے گفتگو کرتے نہیں دیکھا گیا۔ نرم آواز اتنی ہوتی کہ صرف مخاطب ہی سن پاتے۔ آپ کا بولنا اور سکوت سب علم سے تھا۔

حضور فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند اولیائے کرام حضور میاں صاحبؒ کی حاضری میں حاضر ہوئے۔ تمام خادم کافی دیر آپ کی خدمت میں بیٹھے رہے لیکن آپ نے مکمل سکوت جاری رکھا۔ نہ جب گئے کچھ کہا اور نہ جب واپس ہوئے کچھ کہا۔ راستے سے واپسی پر سب دوست باہم کہنے لگے کہ حضور میاں صاحب آج ہم سے کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔

بزرگانِ دین (حضور فضل شاہؒ) نے فرمایا کہ آج آپ نے وہ بات بیان فرمائی ہے جو پہلے آج تک نہیں بیان فرمائی۔ صاحبو! جس طرح محبوب کا بولنا علم سے ہوتا ہے۔ تو کیا خاموشی اور سکوت فرمانا علم سے نہیں ہوتا۔ اس مقام پر بھی علم ہی جلوہ گری کر رہا تھا۔ آپ کا بولنا علم سے تھا۔ اور خاموشی خوف ور جا سے صاحبو! سلامتی سکوت میں ہے۔

آپ اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود سب سے بڑھ کر متواضع تھے۔ انکساری حد درجہ تھی چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کی تعظیم کرتے۔ بیماروں کی عیادت فرمانے خود تشریف لے جاتے۔ غرباء اور مساکین کی مدد کرتے اور حاجت براری کرتے۔ کہیں اگر جانا ہوتا تو اکیلے ہی تشریف لے جاتے ایسے واقعات بھی آئے ہیں کہ کبھی اپنی قیام گاہ سے دس میل یا اس سے کم و بیش جانا ہوتا تو پیدل ہی چل پڑتے کسی سواری وغیرہ کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ خدام عرض کرتے کہ حضور سواری لے آتے ہیں تو حضور میاں صاحب فرماتے دوستو پیدل چلنے سے قوائے جسمانی اور روحانی نشو ونما پاتے ہیں اور مزید مقامات عطا ہوتے ہیں۔ اس منزل کا کرایہ خیرات کر دیتے اور ساتھ یہ بھی فرماتے لو دوستو! ہم سواری پر آئے ہیں اور سوار ہمارے ساتھ ہیں۔

اگر کوئی صاحب کسی مسئلہ کے متعلق پوچھتا ہے یا کسی بات میں الجھن ہوتی پوچھتا تو اس کو بتا دیتے ورنہ خاموش ہی بیٹھے رہتے۔ ذکر فکر میں ہمہ تن

مشغول رہتے تھے۔ عارف ربانی تھے۔ آپ خدا ترس، عابد اور زاہد کمال تھے تمام شب کبھی قیام میں ہوتے کبھی رکوع میں کبھی سجود میں کبھی مناجات الٰہی میں اور کبھی آہ وزاری میں منہمک رہتے اسی طرح تمام شب گزر جاتی۔

آپ کو خوف الٰہی انتہائی تھا۔ رات کو اتنا روتے اور خوف الٰہی اس قدر طاری ہوتا کہ یوں معلوم ہوتا کہ شکم مبارک تانبے کی دیگ کی طرح جوش مار رہا ہے۔ یعنی جتنا علم زیادہ اتنا ہی خوف الٰہی زیادہ تھا۔

خدا نے آپ کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے بہرہ ور کیا تھا آخری دم تک چہرے کے رنگ روپ اور عام جسمانی صحت سے بمشکل اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کی اس قدر عمر پاک ہے۔ آپ عادل امین، صادق، باحوصلہ، متحمل مزاج بے مثال تھے۔ بیگانے بھی آپ کی صداقت کے معترف تھے۔ پاکدامنی اور مقام دوام کا شرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ حیا کے پیکر تھے۔

آپ کے پاس چونکہ سب مذاہب کے لوگ فیضیاب ہونے آتے تھے اسلیے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہمارے پاس سب کا حصہ موجود ہے۔ اور ہمارا کام اختلاف میں پڑنا نہیں ہے لوگوں کو اختلاف سے پاک کرنا ہے ہم سب کے ساتھ فی سبیل اللہ معاملہ کرتے ہیں اور پورے رہتے ہیں۔ ہم سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کئی ہندو اور سکھ آپ کی

برکت سے اسلام قبول کر گئے۔

آپ فرمایا کرتے کہ مقامات بھی لوگوں کو پکڑ لیتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں۔ اشیاء بھی لوگوں کو پکڑ لیتی اور غلام بنا لیتی ہیں۔ اور یہ پکڑ ہمیشہ پکڑے جانے والے کی چاہت کے خوبصورت جال میں ہوتی ہے۔ یہ واقعہ اس بات کا شاہد ہے۔

ایک سکھ نوجوان آپ کی خدمت اقدس میں نہایت احترام کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا۔ واپسی پر یہ انہی قدموں پر بغیر آپ کی طرف پشت کیے لوٹ جایا کرتا تھا اور اپنے لیے زمین میں بنائے گئے گڑھے میں پہنچ کر پھر سے اپنے طریقے پر مشغول ہو جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اپنے کام سے آتا ہے ہمارے لیے نہیں آتا۔ ایک دن اس سکھ نوجوان نے آپ کی خدمت اقدس میں گزارش کی کہ اسے قرآن پاک پڑھنے کی اجازت دی جائے آپ نے فرمایا اس بات کی اجازت تو میاں فضل کریم ہی دے سکتے ہیں۔ (حضور فضل شاہ کو میاں صاحبؒ میاں فضل کریمؒ کہہ کر بلایا کرتے تھے) سکھ نوجوان نے عرض کیا ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت ہو۔ آپ نے کہا چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ حضرت میاں صاحبؒ جب قبلہ فضل شاہؒ کے پاس تشریف لائے تو دہلیز پر بیٹھتے ہی (یہی آپ کا معمول تھا) آپ نے فرمایا میاں فضل کریمؒ! یہ سردار قرآن پاک پڑھنے کی اجازت لینے

آیا ہے۔ قبلہ فضل شاہؒ نے آپ کی خدمت عالیہ میں عرض کیا یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنے کے باوجود اسی جگہ ہے جہاں سے یہ آیا تھا۔ قرآن پاک کی اجازت اسے نہیں ہوسکتی۔ جو اسے اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرنے والا ہو۔ آپ نے فرمایا سردار سنا ہے میاں فضل کریم نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے۔ اب یاد رکھنا ہمیں دیکھنا ہو تو انہیں دیکھ لینا اور انہیں دیکھنا ہو تو ہمیں دیکھنا۔ یہ بات تمہارے لیے اس وقت مفید ہوگی جب تم گورو بننے کی چاہت سے نجات پالو گے۔ یہ تھی آپ کی روشن ضمیری اور حکمت۔

آپؒ ملنے والوں کو تاکید سے فرماتے کہ جہڑا اورتی ہوئی دسے اوہدی سنوں یعنی جو اپنا حال، تجربہ بیان کرے اسکی سنو۔ لباس کے متعلق آپ کا ارشاد عالی ملاحظہ ہو کہ لباس اگر خیر کے راستے میں حائل ہونے والا ہو تو یہ غیر کا لباس ہوگا۔ اگر لباس سادہ ہو تو بندے کی کارکردگی کو متاثر نہیں کرے گا۔ اور اگر اس کے خلاف ہو تو کارکردگی کا بہت بڑا حصہ اسی پر متوجہ رہے گا۔ اس طرح سے لباس اس بندے کے پیچھے رہ جانے کا سبب بنے گا۔

ایک واقعہ آپ کی حیاتِ طیبہ سے پیشِ خدمت ہے۔ ایک دن چند صاحبان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ بزرگانِ دین کے علم سے فیض حاصل کرنے کے لیے سب کو یکساں کامیابی کیوں نہیں ہوتی۔ آپؒ نے فرمایا جو لوگ کسی خواہش کے لیے حاضر ہوتے ہیں وہ خواہش کے

پورا ہونے کی صورت میں بھی اور پورا نہ ہونے کی صورت میں بھی راستے میں رہ جاتے ہیں۔ پہلی صورت میں خواہش پوری ہو جاتی ہے کام ختم ہو جاتا ہے دوسری صورت میں عظمت و بزرگی کا تصور قائم نہیں رہتا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کتاب وشنید کی صورت سے دین کا نقشہ رکھتے ہیں اور اپنے اس نقشے کے ساتھ لگے رہتے ہیں ان کو حال پر رہنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ ماضی ان کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ قول کے دور دورے میں ہی رہتے ہیں ۔عمل کو زندہ کرنے والی محبت انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ ان کے اعمال کے ساتھ پژمردگی اور تھکان کا گہرا ساتھ ہوتا ہے اور مصائب و آلام کی صورت میں ان کے تمام اعمال جو حقیقتاً قول ہی کے درجے کے ہوتے ہیں تتر بتر ہو جاتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو تضاد اور اختلاف سے پاک رہتے ہوئے صاحبانِ حق کو معیارِ حق جانتے ہیں۔ یہ حال کو ماننے والے اس قدر سچے لوگ ہوتے ہیں کہ تعریفی کلمات بھی ان کے مزاج کے اعتدال کو نہیں بگاڑتے۔ اور تضحیک واستہزاء سے بھی ان کی توجہ مقصود سے نہیں ہٹائی جا سکتی۔ بزرگانِ دین سے میل جول کی بدولت ان کا دل پاک اور احسن ہو جاتا ہے۔ عظمتِ حق کے اعتراف کی بدولت ان سے خالص محبت ہو جاتی ہے۔ یہ محبت اعمال کی جان ہوتی ہے اور مقصد پر ہمہ وقتی توجہ کے لیے انتہائی اہم ہے۔

محبوب کے اعمال محبت کے اندر جلوہ گری کرنے لگتے ہیں۔ان سے ایک علم محبت کو تجربے اور مشاہدے کی بناء پر حاصل ہوتا ہے۔جس سے وہ حق کا شاہد ہونے کا مقام پالیتا ہے۔یہ تین مقامات ہیں قول، عمل اور علم، اخلاص انعام ہے۔اوران تینوں مقامات پر پورارہنے والے کوعطاہوتا ہے۔مخلص کی یہ شان ہے کہ اس پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں۔

اشیاء کی طلب رکھنے والے لوگوں کو بے وقوف فرماتے ہیں۔آپ کا ارشاد ہے جو شے کا طالب ہوجاتا ہے وہی شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء بنائی ہیں اورانسان کے لیے بنائی ہیں۔اپنے لیے کسی کو مخصوص نہیں کیا۔تمام اشیاء انسان کی طالب ہیں۔انسان اگراشیاء کو مطلوب بنالے تو یہ شرکِ خفی ہے۔جس سے دین کا بھی نقصان ہوجاتا ہے دنیا کا بھی نقصان ہوجاتا ہے۔جبکہ شرک جلی سے صرف دین کا نقصان ہوتا ہے دنیا کا نہیں ہوتا۔

حضرت میاں خدا بخشؒ فرماتے ہیں کہ عربی کے بعد زبانوں میں بڑا درجہ پنجابی کا ہے فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے۔

ایک مرتبہ چند علم دوست حضرات آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔میاں صاحب مہربانی سے یہ بیان فرمایئے کہ قرآن پاک میں تضاد اختلاف ہے یانہیں ہے۔آپ نے فرمایا قرآن پاک تضاد اور خلاف سے پاک ہے۔ان میں سے بڑے صاحب نے یہ عرض کیا "وَان

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ کی موجودگی میں لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذنِ اللّٰہِ " کی وضاحت فرمایئے۔ یہ دونوں قرآن پاک کی آیات ہیں۔

حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا جو الفاظ پہلے آپ نے پڑھے ہیں وہ قرآن پاک کی آیت کے ہیں۔ جو بعد میں کہے ہیں وہ قرآن پاک کی آیت نہیں ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا حضرت آپؒ نے یہ کیسے فرما دیا کہ یہ الفاظ قرآن پاک کی آیت کے نہیں ہیں ہم ابھی دکھا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا دکھایئے۔ وہ صاحب دوسرے حضرات کے ساتھ قرآن پاک لے کر بیٹھ گئے اور بڑے ذوق کے ساتھ اپنے دعوے کی شہادت کی تلاش شروع کر دی۔ چھ چھ پارے ہر ایک صاحب نے دیکھے اور پھر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دوبارہ ذرا تحمل سے دیکھنے کا عہد کر کے اعادہ شروع کیا نتیجہ وہی تھا۔ میاں صاحبؒ کی خدمت میں ان بڑے صاحب نے عرض کیا محترم آج تو وہ آیت نہیں مل رہی۔ آپ نے فرمایا پڑھے لکھے لوگوں کی تختی کا صاف ہونا بڑا کام ہے۔ پہلے بھی کبھی آپ نے یہ آیت قرآن پاک میں نہ دیکھی ہے نہ پڑھی ہے یہ تو شنید ہے۔ جسے آپ لوگوں نے دید کا درجہ دے دیا ہے۔ آپ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو قرآن پاک ہے وہ یہاں ہے اور جو یہاں نہیں ہے وہ قرآن پاک نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے بڑے صاحب نے عرض کیا میاں صاحب محترم! آپ

حافظِ قرآن تو نہیں ہیں۔ پھر آپ کو یہ کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آیت ہے کہ نہیں ہے۔آپ نے فرمایا ہم محافظ ہیں یہ حافظ سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ بڑے صاحب نے عرض کیا محترم یہ حدیثِ پاک ہوگی۔

آپؒ نے فرمایا نہیں حدیث پاک حال اور اعمال سے تعلق رکھتی ہے پھر قلب مبارک کی طرف اشارہ فرمایا جو یہاں نہیں ہے۔ وہ حدیث پاک نہیں ہوسکتی۔ بڑے صاحب نے عرض کیا محترم! یہ کسی صاحبِ حال کا قول ہوگا آپؒ نے فرمایا نہیں حق میں تضاد اور اختلاف نہیں ہوتا۔ ماضی میں صاحبانِ حق صاحبانِ حال ہمارے شاہد ہیں اگر یہ حق ہوتا تو ہمارا حال ہوتا۔ بڑے صاحب نے عرض کیا ایک جگہ کوشش اور سعی کا حکم ہے اور پھر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا تو جزا کی نفی ہوجاتی ہے۔آپ کے ارشاد سے تقویت ہوئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ قول ہے کس کا؟ آپؒ نے فرمایا آپ لوگ بہت سیدھے ہیں ہم نے تو کئی بار بتایا ہے یہ حق بھی نہیں ہے اور باحقیقت کا قول بھی نہیں ہے۔

ان میں سے ایک صاحب جو اس سارے عرصے میں کافی حد تک خاموش رہے تھے عرض کرنے لگے حضرت میاں صاحبؒ! آپ کی محبت و شفقت سے یہ جرأت ہوئی ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں میری کم علمی بھی بے حد اور آدابِ بزرگانِ دین بھی بے حد، آپ معاف فرمانے

والے ہیں اور معاف فرمانے والے لوگوں میں سے ہیں۔ میاں صاحب میں عرض کرتا ہوں کہ جو معرفت آپ کو عطا ہوئی ہے وہ ہمیں بھی عطا ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا یقیناً ہو سکتی ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے جو اپنے قول سے ساکن ہو جائے اللہ تعالیٰ اسے اپنا قول عطا فرما دیتا ہے۔

اپنے شاہدین کی اتباع و اطاعت کی بدولت جب اسے شاہدینِ حق سے محبت ہو جائے تو اس کے اعمال اور حال کو پاک ہونے کا شرف عطا ہو جاتا ہے اس کے بعد اسے محبتِ اہلِ حق کی بدولت علمِ حقیقی عطا ہوتا ہے جو کچھ محبوب کے ہاں ہو رہا ہو وہی محبّ کے ہاں ہو رہا ہوتا ہے وجود دو ہوتے ہیں حقیقت ایک ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اخلاص اس پر حسن کی صورت سے جلوہ گری کرنے لگتا ہے۔ شیطان کے اغواء کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا فرد معیارِ حق ہے۔ اس کو مانا جائے تو حق کو ماننے کا ثبوت موجود ہوتا ہے ورنہ حق کو ماننے کا دعویٰ بے شہادت ہی رہتا ہے۔ مخلصین موجود رہے ہیں۔ موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ فلاح و برکت کی یہی صورت ہے کہ ان کو مانا جائے ورنہ مشقت گلے پڑ جائے گی اور پھر مجبوراً انہیں کو ماننا پڑے گا۔ اور کوئی صورت دائمی ہو ہی نہیں سکتی جن کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت حاصل ہے اور اکرام حاصل ہے۔ انہیں مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ ہے ورنہ نہیں۔ یہ صاحب جن کے سوال پر آپ نے یہ حال عطا فرمایا آپ کی خدمتِ

عالیہ میں رہے اور بہت بڑے مرتبے پر پہنچے۔ حضرت سائیں اسمٰعیل نام تھا آپ کا۔ آپ کا بھی وصال ہو چکا ہے۔

آپ کے آستانہ میں ایک باغیچی سی تھی۔ سبزیاں وغیرہ بھی کاشت ہوتی تھیں۔ اور آپ پیوندکاری کا بہترین علم رکھتے تھے۔ جو آتا اس کو جلد فارغ کر دیتے اس کے مسئلہ کو جلد حل فرما دیتے زیادہ وقت مصروفیت میں گزارتے۔

آپ کی تعلیمات میں ہمیشہ اس امر کی تاکید کی جاتی ہے کہ وہی بات کہنی حق ہے جو کہنے والے کے اندر موجود ہو ورنہ اس سے برا اور کوئی جھوٹ نہیں ہوگا۔ آپ کا فرمان ہے قول وہی سچا ہوتا ہے جس کا عمل شاہد ہو۔ اگر دعویٰ بغیر عمل صالح کے سچا ہونے کا مقام ہوتا تو منافقین کے تسلیمِ رسالت کو کذب نہ کہا جاتا۔ آپ کا کلام خواہش کے تابع نہیں ہے۔ فرمایا کرتے کہ مطابق کے مطابق رہو تو یہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ مخالف کے مطابق رہو اور فی سبیل اللہ معاملہ کرو تو مروت ہے اور اصول حصولِ علمِ الٰہی ہے۔ حضرت میاں صاحب کے جاری کیے ہوئے چشمہ فیض کا نام حضرت فضل شاہؒ قطب عالم ہے۔ ماضی، حال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔

وصال:۔ آپ ہجرت کر کے اوکاڑہ تشریف لے آئے تھے اور وہیں 1950ء بمطابق 22 رمضان المبارک 1369ھ کو ایک سو چون

برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپ کا روضہ مبارک پیر بخاری قبرستان جی ٹی روڈ ساہیوال میں مرجع خاص وعام ہے۔

ہر سال ستمبر کے آخری ہفتہ میں آپ کے روضہ مبارک پر عرس مبارک ہوتا ہے آپ کے خاندانی چشم و چراغ موجودہ حضرت میاں فضل کریم صاحب اوکاڑہ سے آ کر حضرت پیر مقبول الٰہی صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین حضور فضل شاہ قطب عالم ؒ کے ہمراہ عرس شریف کا اہتمام فرماتے ہیں۔ دو دن خوب محافل کا انعقاد فرماتے ہیں اور لنگر کا انتظام احسن طریقہ سے کیا جاتا ہے اور فیوض و برکات کے چشمے بہائے جاتے ہیں۔

ملفوظات طیّبات حضرت میاں صاحبؒ

۱۔ تمام چیزوں کی محبت مشقت میں ڈالتی ہے۔حزب اللہ کی محبت مشقت سے پاک کرتی ہے۔

۲۔ صرف پانچ امور میں جلدی کرو۔ ☆ امانت کے ادا کرنے میں ☆ انفاق فی سبیل اللہ میں۔ ☆ نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔ ☆ جنازہ میں جب تیار ہو جائے۔ ☆ بیوہ کے نکاح میں جب اس کا جوڑا مل جائے۔

۳۔ پانچ آدمیوں سے بچنا ضروری ہے۔ ☆ جھوٹے سے جو تمہیں ہمیشہ دھوکے میں رکھے گا۔ ☆ احمق سے جو اگر فائدہ پہنچانے کی کوشش بھی کرے گا تو اس سے ضرر پہنچے گا۔ ☆ بخیل سے جو اپنے تھوڑے نفع کی خاطر تمہارا بہت سا نقصان کرے گا۔ ☆ بزدل سے جو آڑے وقت میں تمہارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ ☆ بدعمل سے جو تمہیں ایک نوالے پر بیچ ڈالے گا اور اس اسے کم تر کی توقع رکھے گا۔

۴۔ فقیر کی زبان نہیں بولتی عمل بولتا ہے۔

۵۔ تمام نعمت کے دو رکن ہیں۔ہونے پر شکر نہ ہونے پر صبر۔

۶۔ اللہ کی معیت والوں کو اس کے مقابل والوں کے برابر ٹھہرانا ظلم ہے

اور تکذیب حق ہے۔

۷۔ کھدر جیہا کپڑا نہیں نئیں تے پا کے دیکھ لو، کھاہدے تے کھاؤ نہیں، نئیں تے کھا کے دیکھ لو۔ (کھدر جیسا کپڑا نہیں ورنہ پہن کر دیکھ لو۔ کھائے ہوئے پر اور نہ کھاؤ، ورنہ کھا کے دیکھ لو)۔

۸۔ نماز کی قضا موجود ہے۔ خدمت کی قضا موجود نہیں ہے۔

۹۔ جو آنے والے کو خوش آمدید نہیں کہتا، اور رخصت ہونے والے کو پوچھتا نہیں وہ کبھی قاسم نہیں ہوسکتا۔ اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

۱۰۔ جاگ لگے تو اہل طریقت میں شمار ہوتا ہے۔

۱۱۔ مرد کو بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہیے یہ غیر کو دعوت دینے والی بات ہے۔ سیدھے سادھے رہنا چاہیے۔

۱۲۔ دین، بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر رہنے سے عطا ہوتا ہے اور مخلص کو عطا ہوتا ہے۔

۱۳۔ پاک ہی پورا رہ سکتا ہے۔ صبر و شکر کے مقامات پر۔

۱۴۔ اللہ کی راہ اس کے پیاروں سے ملتی ہے اور اللہ کے پیاروں کی معیت ان کے قرب سے محبت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

۱۵۔ شاہد کا اسوہ حسنہ موجود ہو تو تعلق کا ثبوت ہے ورنہ نہیں۔

۱۶۔ عزت کسی تجویز سے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ مومنین کی صف میں شمار

ہونے سے اور اتباع رسول ﷺ سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۷۔ مقصد کی اہمیت معلوم ہو تو ہر قدم پر احتیاط ہوتی ہے اور قرب کا رخ رہتا ہے

۱۸۔ طلب مجازی اور حجاب ہوس کو ہٹا دیا جائے تو مجادلے کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔ اور مشاہدے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

۱۹۔ صاحب حال زبان یعنی قول سے نہیں بولتا اعمال سے بولتا ہے۔ صاحب علم زبان سے نہیں بولتا۔ جو اسے عطا ہو چکا ہے اس پر خاموش رہتا ہے اور جو حال پر عطا ہو رہا ہے اس سے بولتا ہے۔ ذاتی خاموش رہتا ہے۔ بلوایا جاتا ہے تو پھر بولتا ہے۔

۲۰۔ ☆ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ ☆ اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ ☆ اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ ☆ اس پر وہ عداوت کرتا ہے جس کو علم نہ ہو۔ ☆ اس پر وہ حسد کرتا ہے، جس کو سمجھ نہ ہو۔ ☆ اس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے، جس کو یقین نہ ہو۔ ☆ اس پر وہ یقین رکھتا ہے، جسے ایمان نہ ہو۔

۲۱۔ غیر کی محبت حضوری سے دور کرتی ہے۔ تمام چیزوں کی محبت نجی کو مشقت میں ڈالتی ہے۔ انسان کی اپنی تجویز مشقت میں ڈالتی ہے اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت مشقت سے پاک کرتی ہے۔

۲۲۔ اللہ کی پناہ مانگو۔ ☆ ایسے دل سے جس میں عجز وانکساری نہ ہو۔ ☆ ایسی دعا سے جس میں خوف نہ ہو۔ ☆ ایسے نفس سے جو راضی برضا نہ ہو۔ ☆ ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو۔

۲۳۔ ندامت پانچ قسم کی ہوتی ہے۔ ☆ ندامت ایک دن کی، جب کوئی شخص گھر سے بلا کھانا کھائے چلا جائے۔ ☆ ندامت سال بھر کی، جب کہ زراعت کا وقت غفلت میں گزر جائے۔ ☆ ندامت عمر بھر کی، جب کہ بیوی سے موافقت نہ ہو۔ ☆ ندامت ابدی، جبکہ خدائے برتر ناخوش ہو۔ ☆ ندامت ازلی، جب اعمال میں محبوب ﷺ کا رخ نہ ہو۔

۲۴۔ پانچ باتیں بری ہیں۔ ☆ علماء میں بدکاری۔ ☆ حکماء میں حرص۔ ☆ دولتمندوں میں بخل۔ ☆ بوڑھوں میں زنا کی عادت۔ ☆ عورتوں میں بے شرمی اور بے پردگی۔

۲۵۔ خلق کے پانچ مقام ہیں۔ ☆ محبت۔ ☆ سخاوت۔ ☆ الفت۔ ☆ نصیحت۔ ☆ شفقت۔

۲۶۔ پانچ مقام انسان کے لیے بمنزلہ گوہر ہیں۔ ☆ وہ درویشی، جس میں تونگری پائی جائے۔ ☆ وہ بھوک، جس میں سیری کا اظہار ہو۔ ☆ وہ غمگین، جو خوشی کا اظہار کرے۔ ☆ وہ مرد، جو باوجود کسی کے ساتھ دشمنی کے اس سے دوستی کا اظہار کرے۔ ☆ وہ شخص، جو دن بھر روزہ رکھے اور

رات بھر نماز پڑھے اور اپنے آپ کو قوی ظاہر کرے۔

۲۷۔ چار ہستیوں کے پاس تہی دست نہ جاؤ۔ ☆ عیال۔ ☆ بادشاہ ☆ بیمار۔ ☆ بزرگ۔

۲۸۔ جو دے اور لے وہ مرد ہے۔ جو دے اور نہ لے وہ نیم مرد ہے اور جو نہ دے اور نہ لے وہ نامرد ہے۔

۲۹۔ سوائے پانچ اشیاء کے تمام دنیا فضول ہے۔ ☆ روٹی اس قدر جس سے زندگی قائم رہے۔ ☆ پانی اتنا جس سے پیاس رفع ہو سکے۔ ☆ کپڑا اتنا جس سے ستر پوشی ہو سکے۔ ☆ گھر جس میں رہائش ہو سکے ☆ علم اتنا جس پر عمل ہو سکے۔

۳۰۔ محبت میں ادب کی چھ قسمیں ہیں۔ ☆ خدا کے ساتھ حسنِ ادب اور دوام ہیبت سے۔ ☆ رسول ﷺ کی محبت، متابعت سنت اور ظاہر علم کی پابندی سے۔ ☆ اولیاء کے ساتھ حرمت اور خدمت سے۔ ☆ گھر والوں کے ساتھ خوش روئی سے۔ ☆ مخلوقِ خدا کے ساتھ خندہ پیشانی سے۔ ☆ جاہلوں کے ساتھ دعا اور رحمت سے۔

۳۱۔ پانچ چیزیں جن میں انسانی کوشش مفید نہیں ہو سکتی۔ ☆ زن موافق چاہنا ☆ اولاد کا پیدا کرنا۔ ☆ مال کا پانا۔ ☆ مرتبہ بلند کرنا۔ ☆ زندگی دراز حاصل کرنا۔

۳۲۔ دس خصائل تمام نیکیوں کا معدن ہیں۔ ☆ راہِ حق میں صدق۔ ☆ خلقِ خدا کے ساتھ مروت۔ ☆ اپنے نفس پر جبر۔ ☆ علماء کے ساتھ حسنِ ادب۔ ☆ ہنرمندوں کا ذوق۔ ☆ چھوٹوں پر شفقت۔ ☆ دوستوں کے ساتھ موافقت۔ ☆ خادموں کے ساتھ تحمل۔
☆ درویشوں کی خدمت۔ ☆ جاہلوں سے نفع حاصل کرنا۔

۳۳۔ تین خصلتیں دوستیِ حق کی علامات ہیں۔ ☆ دریا کی مانند سخاوت۔ ☆ سورج کی طرح شفقت۔ ☆ زمین کی سی تواضع۔

۳۴۔ خدا کے نزدیک صداقت سے بہتر کوئی چیز نہیں اور صداقت کامل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں دس خصائل موجود ہوں۔ ☆ خلقِ خدا اس سے بے خوف ہو۔ ☆ خلقِ خدا اس سے ہدایت حاصل کرے۔
☆ جس حالت میں رہے راضی اور شاکر ہو۔ ☆ اپنی حاجات سے زائد راہِ حق میں انفاق کرے۔ ☆ عجز و انکساری کو دوست رکھے۔ ☆ دنیا کی خواری کو عزت سے بہتر خیال کرے۔ ☆ اگر کوئی بات دریافت کی جائے تو رنجیدہ نہ ہو اور بتلانے میں دریغ نہ کرے۔ ☆ حاجت منداس کے دروازے سے محروم نہ جائیں۔ ☆ اگر اس کے ساتھ تھوڑا احسان کرے تو زیادہ جانے اور اپنی نیکی کو کچھ نہ سمجھے۔ ☆ سب کو اپنے سے بہتر جانے۔

۳۵۔ گیارہ چیزوں کو گیارہ چیزوں سے بچانا چاہیے۔ ☆ حسد سے دل کو۔ ☆ کذب وغیبت سے زبان کو۔ ☆ ریا سے عمل کو۔ ☆ حرام خوری سے پیٹ کو۔ ☆ نامحرم سے نظر کو۔ ☆ پلیدی سے جسم کو۔ ☆ غیر سے سجدہ کو۔ ☆ بیوپار سے غرض کو۔ ☆ مجالس سے نابالغوں کو۔ ☆ خود غرض سے پیار کو ☆ ظلم سے مظلوم کو۔

۳۶۔ غریبوں کے ساتھ نیکی کرو اور امیروں کی بات سے پرہیز کرو۔

۳۷۔ جب تک سامعین کو دعوتِ خیر دینے والے کی صداقت و امانت کا اعتراف نہ ہو، دعوت موثر نہیں ہو سکتی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے تبلیغ حق کی یہ صورت رکھی ہے تو پھر اس سے اعراض کیونکر ممکن ہے یہ اصول تبلیغ فرماتے ہیں۔

۳۸۔ جو بہتر کو نہیں مانتا مشقت اٹھا کر انجام کار اسے بہتر کو ماننا پڑتا ہے۔

۳۹۔ جو شے کے لیے آئے وہ تجویز میں بھی پڑتا ہے۔ مشقت میں بھی پڑتا ہے۔ جو شے والے کے لیے آئے وہ سب کچھ پا لیتا ہے۔

۴۰۔ جس کے لیے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی وہ شے کے لیے نہیں بلکہ شے والے کے لیے آتا ہے۔ جس کے لیے تکلف کرنا پڑے اس کا آنا زحمت ہوتا ہے۔ جس کے آنے سے برکت ہو اس کے لیے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت میاں خدا بخش ؒ قطب الاقطاب کو حضرت سید عبدالقادر جیلانی ؒ کی بارگاہ میں حاضری کے دوران حضرت سید احمد شرف الدین بغدادی ؒ نے معروف کرخی ہونے کا انعام و خطاب عطا فرمایا اور چاروں سلاسلِ طریقت میں مجاز ہونے کا شرف عطا فرمایا گیا۔ آپ کو جالندھر شریف میں واپس تبلیغِ حق کے لیے بھیجا گیا۔ کیونکہ جب فیض تقسیم کرنے کی ڈیوٹی دی جاتی ہے تو واپس عموماً اسی علاقہ میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں سے فیض کے متلاشی روانہ ہوتے ہیں۔ آپ کے گلدستہ سے یوں تو سب ہی پھول نرالے ہیں۔ لیکن جو مقام و مرتبہ حضرت سیدی مرشدی قبلہ فضل شاہ قطب عالم ؒ جو کہ طریقت کے غوث الاعظم ہیں کو حاصل ہوا وہ کسی اور خلیفہ کو حاصل نہ ہوا۔ گویا یہ پھول اپنی طرز کا نرالا ہی رنگ و روپ لیے ہوئے ہے۔ آپ تمام خلفاء میں چہیتے جانے جاتے تھے۔ میاں صاحب آپ کو میاں فضل کریم کے نام نامی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت مولوی محمود یٰسین صاحب نقشبندی بھی ہیں۔ جو گوجرانوالہ میں فیض تقسیم فرما رہے ہیں۔ ان کو بھی بہت اچھا مقام عطا ہوا ہے۔ وہ بھی قبلہ حضرت فضل شاہ قطب عالم ؒ کا بے حد احترام و اکرام فرماتے تھے۔ اور حضرت فضل شاہ ؒ کو بھی ان سے پیار تھا اس طرح میاں صاحب کے باغ کے رنگ رنگ کے پھول اپنی خوشبو سے مخلوقِ خدا کو معطر فرما رہے ہیں۔ ان کی مہک بعد از قیامِ قیامت بھی اپنی

رعنائیاں بکھیرتی رہے گی۔

گویا کسی صاحبِ حال نے کہا ہے کہ

اے گلو کرلو زیارت ٹوٹ کر دیوانہ وار
ہم چمن میں بار بار آتے نہیں مثلِ بہار

اب میاں صاحبؒ کے محبوب اور سب سے چہیتے حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ کے حالات وملفوظات، بیانات اور ارشادات تحریر کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی روشنی میں ہمیں زندگی گزارنے کا رخ عطا فرمائے آمین

حضرت فضل شاہؒ کی ہے دعا یا رب طفیلِ مصطفیٰؐ
رحم ہو سب پر گروہِ اولیاء کے واسطے

حضور قبلہء عالم حضرت فضل شاہ قطبِ عالمؒ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ولادتِ باسعادت:- حضور قبلہ عالم حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ کی تقریباً **1877**ء میں جالندھر شریف کے ایک محلّہ نزد جوڑا دروازہ میں ولادتِ باسعادت ہوئی۔ آپ کے آباؤ اجداد مکیریاں ضلع ہوشیار پور سے جالندھر میں آ کر بسے تھے۔

اسمِ گرامی:- آپ کا نام نامی اسمِ گرامی فضل الدین رکھا گیا۔ چونکہ بزرگانِ دین اسم بامسمیٰ ہوتے ہیں۔ آپ حقیقتاً فضل دین ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت نبی بخشؒ کے مرشد گرامی قدر حضرت شاہ محمد غوثؒ آپ کو فیضی شاہ کے خطابی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ فیضی شاہ کے خطابی نام سے بھی مشہور ہوئے اور فضل شاہ صاحبؒ کے اسم گرامی سے معروف ہوئے۔

نام نامی فضل دین، ناموس و جان بے کساں
درحفیظ وحافظ وفیض حفیظانہ تیرا

خاندان مبارک:- آپؒ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے

ہیں۔آپؒ کا فرمان ہے، کہ مغل پٹھان اور راجپوت خاندان میں کوئی کوئی ولی اللہ ہوتا ہے، جو ہوتا ہے وہ سرتاج اولیا ہوتا ہے۔آپؒ کے آباؤ اجداد مکیریاں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت پذیر رہے ہیں۔پھر بعد میں حکمت ربی کے تحت جالندھر شریف میں آباد ہوئے۔وہیں آپؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

والدین کریمین:۔ آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت نبی بخشؒ ہے۔اور دادا جان کا اسم گرامی حضرت محبت خاںؒ ہے۔آپؒ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت عمری بیؒ ہے۔جو کہ درویشانہ اوصاف رکھتی تھیں جب دسترخوان بچھاتیں۔تو محلے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو آپؒ کے ساتھ کھانے کے لئے بٹھالیتیں۔تاکہ کم سنی میں ہی آپؒ کو تواضع ،شفقت، مہمان نوازی اور مسافر نوازی کا سبق ازبر ہو جائے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپؒ کے والد ماجد حضرت نبی بخشؒ اپنے مرشد کے بڑے پیارے مرید تھے۔آپؒ کے مرشد حضرت شاہ محمد غوثؒ ہیں۔جو ہوشیار پور میں مکین تھے۔آپؒ کے والد ماجد حضرت نبی بخشؒ بھی درویشانہ اوصاف حمیدہ سے مشرف تھے۔اس وقت آپؒ کی ساری آمدن اکثر غریب پروری غریب نوازی مسکین نوازی اور مہمان نوازی پر خرچ ہوتی تھی۔آپؒ کے والد ماجدؒ جب اپنے مرشد حضرت شاہ محمد غوثؒ کے پاس

تشریف لے جاتے ،تو اپنے صاحبزادے حضرت فضل شاہؒ کو بھی ساتھ ان کی خدمت میں لے جاتے۔جس وقت وہ آپؒ کو دیکھتے ۔تو پیار سے گود میں اٹھا لیتے ۔اور بزبان حال سے فرماتے کہ یہ میرا بیٹا فیضی شاہ ہے۔اسی طرح غلبہ حال میں بار بار فرماتے رہتے ،کہ یہ میرا بیٹا فیضی شاہ ہے یہ میرا دلبند ہے۔یہ میرا دل ارجمند فیضی شاہ ہے۔یہ میرا پیارا فیضی شاہ ہے پہلے پہل آپؒ اسی لقب سے مشہور ہوئے ہیں۔پھر فضل شاہ کے نام نامی سے معروف ہوئے۔حضرت شاہ محمد غوث سید گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔اور حسنی و حسینی ہیں اور چشتیہ خاندان کے اپنے وقت پر بہت بڑے غوث اور قطب ہوئے ہیں۔حضرت قبلہ عالم حضور فضل شاہؒ اس وقت بچہ ہی تھے ۔اور آپؒ جس چیز پر ہاتھ رکھتے ،حضرت شاہ محمد غوثؒ آپؒ کے والد ماجد کو فرماتے "آپؒ یہ لے جائیں" آپؒ ایک غوث وقطب زمان کی گود مبارک میں کھیلے ہیں۔اور برکت حاصل کی ہے۔اور حقیقتاً فیض رسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔لوٹ مچادی۔جزو، جزو اعظم اور کل تینوں مقامات کا فیض تقسیم فرماتے ہیں۔

ابتداء میں تعلیم کے لئے آپؒ کو محلہ مفتیاں کی مسجد کے امام مولوی عمر الدین صاحب کے پاس بٹھا دیا گیا۔چند ماہ درس لیتے رہے ۔لیکن جذب ومستی کے طبعی ذوق کی وجہ سے یہ روایتی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔یعنی آپ

" نے باقاعدہ درس وتدریس وتعلیم حاصل نہیں فرمائی ۔دراصل قدرت آپ" کواس منزل کاراہی بنانا چاہتی تھی ۔جہاں کسی تعلیم وتعلم کے بغیران تمام چیزوں کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔جن کا تصور محض تقلیدی ہوتا ہے ۔اور جوعام آدمیوں کے نزدیک تمثیلات خیالی کا درجہ رکھتی ہیں۔دراصل آپ" اس درس کی طرف اس منزل کی طرف گامزن ہوگئے ،جہاں مقامات کے ساتھ ساتھ مشغولیت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔بلکہ کچھ یوں کہنا بجا ہوگا کہ

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

روایتی درس کا سلسلہ منقطع ہوا،تو معمول یہ ہوگیا،کہ مسجد میں جا بیٹھتے اور ساری رات سجدے میں پڑے رہتے ،کبھی ساتھیوں کے ساتھ گھومنے نکل جاتے۔جیب میں پیسے ہوتے ،اور کسی چیز کے خریدنے کو جی چاہتا تو کسی ساتھی سے کہتے ،اگر وہ فرمائش رد کر دیتا تو پیسے جیب سے نکال کر پھینک دیتے۔جنہیں دوسرے لڑکے اٹھا کر چل دیتے۔

خود فرماتے ہیں۔کہ ان دنوں اکثر دعا مانگا کرتے ،کہ گوشۂ زنداں مل جائے ،یا مست ہوجائیں ۔بہر حال علائق دنیوی سے آسودگی پانے کی آرزو تھی۔چنانچہ مستی کی دعا قبول ہوئی۔عمر کی چودھویں منزل میں قدم رکھا ہی تھا۔کہ جذب ومستی کے عالم نے ظہور پکڑا۔اور باطنی سرشاری نے عشق الٰہی

کا مزہ دینا شروع کیا۔

جذب:۔ الغرض ایک دن لوٹا، تسبیح اور عصا لیا اور جنگلوں ویرانوں کا راستہ لیا آبادی سے دور جنگل کی خاموش فضا پسند آئی۔ اور سرتاپا بے خودی کی کیفیت میں غرق رہتے تھے۔ مہینوں گزر جاتے۔ شکم مبارک کو کوئی چیز کھلانے کی فرصت نہ ہوتی۔ اکثر چولائی کے پتے کھاتے بے محابا جنگلی جانوروں میں گھومتے پھرتے رہتے۔ فرماتے ہیں کہ جنگلی درندے سلام کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس دوران لوگ پکڑ پکڑ کر گھروں میں خیر و برکت کیلئے لے جایا کرتے اور کوشش کرتے کہ وہ کسی گھر میں مقیم ہو جائیں۔ تاکہ ضرورت مند استفادہ کر سکیں۔ مگر عشق حقیقی کی فزوں تر کیفیت میں عالم ناسوت کی بندشیں مشکل گوارا ہوتی ہیں۔ لہٰذا موقع پاتے ہی پھر کسی مرغزار میں نکل جاتے۔

کہتے ہیں، کہ اس زمانہ میں آپؒ بہت کم کلام فرماتے تھے۔ اور جب بولتے تھے۔ تو بات خالی نہ جاتی تھی۔ چلتے وقت نظر نیچی رکھتے تھے۔ جب کوئی جائز کام کے لئے پاس آتا تو اسے دور ہی سے فرمادیتے، جاؤ تمہارا کام ہو گیا ، اللہ کے فضل سے۔ تو اس کا کام واقعی ہو جاتا۔ اور جو ناجائز مقصد کیلئے آتا۔ اس کو پاس تک نہ پھٹکنے دیتے بلکہ اس کی طرف ایسی جلالی نظروں سے دیکھتے کہ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتا۔

اسی طرح یہ حالت بارہ سال رہی۔اس کے بعد اس جذب و مستی کے عالم میں سکون و ٹھہراؤ ظاہر ہونا شروع ہوا۔طبیعت رو بہ سکون ہوگئی۔اور نظر میں سکون و ٹھہراؤ ظاہر ہونا شروع ہوا۔باطن کے اسرار جھلکنے لگے۔مگر زبان ابھی اظہار اسرار کیلئے کسی اشارہ غیبی کی منتظر تھی۔

بارگاہ ہادی میں:۔ ایک مبارک رات کو آپؒ کو خواب میں اشارہ ہوا کہ حضرت میاں خدا بخشؒ قادری کے ہاں حاضر ہوں۔اور ان کے ہاں بیعت کریں۔آپؒ اس اشارہ غیبی کے مطابق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جب ان کے ڈیرہ پاک کے قریب پہنچے تو ایک باغیچی سی نظر آئی جہاں ایک سفید ریش بزرگ جلوہ افروز نظر آئے۔ان کی طرف کشش ہوئی حاضر ہوئے تو ان بڑے حضرت صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا۔کہ ہمیں آپؒ کا بڑے دنوں سے انتظار تھا۔یہ سن کر آپؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوگئے
ہم تمہارے تم ہمارے ہوگئے

اس حاضری کا منظر آپؒ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فقیر حضوری میں حاضر ہوا۔تو عرض کیا۔حضور کی حضوری میں رہنے کی اجازت ہو حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا۔اچھا بیٹا رہو۔پھر ارشاد فرمایا۔بیٹا کیا نام

ہے۔فقیر نے عرض کیا۔کہ میرے پیشوا جس نام سے بھی بلائیں گے وہی میرانام ہوگا۔نام ہی لینے آیا ہوں تاکہ میں بھی صاحب نام ہو جاؤں۔پھر فرمایا، بیٹا کیا کھانا پسند کروگے۔فقیر نے عرض کیا، کہ جو میرے پیشوا عنایت فرمائیں گے، پسند فرمائیں گے، اس سے بہتر کھانا میرے لئے اور کوئی نہ ہوگا پھر فرمایا بیٹا کپڑا کیسا پہننا پسند کروگے فقیر نے عرض کیا۔جو میرے ہادی پسند فرمائیں اور عنایت فرمائیں گے اس سے بہتر کپڑا میرے لئے ساری کائنات میں نہ ہوگا۔پھر فرمایا، کیسے رہنا پسند کروگے، عرض کیا میرے پیشوا جس حال میں رکھیں گے وہی میرا حال ہوگا۔پھر فرمایا اچھا میاں فضل کریم! ہمارے پاس رہو۔آپؒ کو میاں صاحبؒ ہمیشہ میاں فضل کریم کے نام نامی سے ہی مخاطب ہوتے ہیں۔

الغرض آپؒ چودہ سال حضور میاں خدا بخش قادریؒ کے حضور ہمہ وقت خاموش اور سر بزانو باادب حاضر رہتے۔جو حکم ہوتا فوری بجالاتے۔اور پھر حضوری میں خاموش بیٹھ جاتے۔آنے کا مقصد پورا ہو گیا کہ ہم تم سے مل لئے تم ہم سے مل لئے۔رفتہ رفتہ لوگوں کا ہجوم ہونے لگا۔لوگ آپؒ کو خاموش بیٹھا دیکھتے تو کہتے جناب میاں صاحبؒ! اس لڑکے کو کبھی بولتے نہیں دیکھا؟ حضرت میاں صاحبؒ جواباً فرماتے، کہ یہ اپنے وقت پر بولے گا۔اور اس کا جواب نہیں ہوگا۔اس وقت اس کا بولنا سند کا درجہ رکھے گا۔واقعی آپ

کا فرمان حق ثابت ہوا۔ایک کائنات نے دیکھا کہ نہ آپؒ کی مثال ہے نہ آپؒ کے قول کی مثال ہے نہ اعمال وعلم اور اخلاص کی کوئی مثال ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کی توجہ عالیہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں آپؒ کو روحانیت کے اوج کمال پر پہنچا دیا۔آئینہ دل، جذب وسکر کی کیفیتوں سے پہلے ہی متجلّی ہو چکا تھا۔اب تجلیوں کو منعکس کرنے کے قابل ہو گیا۔چودہ سال باادب حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں رہے۔پھر اپنے مکان پر بااجازت چلے آئے۔مخلوق خدا رجوع کرنے لگی۔مگر آپؒ براہ راست کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔بلکہ اپنے بچپن کے ساتھی حضرت نیاز احمد ہردم صاحبؒ کے ذریعہ سے بات سنتے اور جواب دیتے تھے۔

ازدواجی زندگی:۔ آپؒ کو مجالس محمدی ﷺ سے فراغت نہیں ملتی تھی اور دنیا کی طرف توجہ مبذول کرنی محال ہو رہی تھی۔اس کیفیت میں آپؒ کے والدین نے شادی کی تلقین کرنی شروع کردی۔آپؒ گریز کرتے رہے۔آخر آپؒ کے والدین کریمین نے آپؒ کے مرشد کریم حضرت میاں خدا بخشؒ صاحب سے عرض کیا۔کہ آپؒ ان کو فرمائیں۔کہ شادی کر لیں۔چنانچہ والدین کے اصرار کے پیش نظر حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا۔کہ بیٹا شادی سنت نبویؐ ہے۔اس مقام سے گزر جانا چاہیے۔زیادہ عرصہ بھی نہیں لگے گا۔لہذا سنت نبویؐ کے مطابق ایک یتیم خاتون پاک باز سے آپؒ کی

شادی ہوئی۔بس ان کی یتیمی کو سن کر لرز گئے۔اور سر تسلیم خم کرلیا۔

آپؒ کے ہاں پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولّد ہوئیں ایک صاحبزادہ صاحب اور ایک صاحبزادی صاحبہ بچپن میں وصال فرما گئے۔اب حال پر بڑے صاحبزادہ صاحب حضرت رضا حسینؒ بلالی جمالی بھی وصال فرما چکے ہیں۔اس وقت آپؒ کے تین صاحب زادے اور ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں۔حضرت عبد الرزق معروف بہ رضا حسین بلالی جمالیؒ کے دو صاحبزادے جن کے اسمائے گرامی جناب فضل وددو صاحب اور جناب افضل وددو صاحب ہیں۔حاضر وقت آپؒ کے سجادہ نشین حضرت پیر مقبول الٰہی مدظلہ العالی ہیں۔ان کے دو صاحبزادے جناب فضل محمود صاحب اور جناب فضل مقصود صاحب ہیں۔حضورؒ کے تیسرے صاحبزادے حضرت پیر فدا الٰہی صاحب معروف بہ پیر مست صاحب ہیں۔ان کے ایک صاحبزادے جناب فضل علی صاحب ہیں۔چوتھے صاحبزادے حضرت پیر علی محمد ڈاکٹر صاحب ہیں۔ان کی ابھی حال پر شادی ہوئی ہے۔یہ حضورؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ صاحب ہیں۔ماشاءاللہ علم میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔باعمل اور با اخلاق واخلاص بھی ہیں۔فضل شاہ ہسپتال آپ کے زیر نگرانی چل رہا ہے حضورؒ کی صاحبزادی صاحبہ حضرت بی بی زکریا صاحبہ ہیں ان کے چار صاحبزادے ہیں ماشاءاللہ سب ہی خوب صورت اور خوب سیرت ہیں۔اخلاق

واخلاص کا مرقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت فرمائے آمین

آپؒ کے صاحبزادہ گان ماشاءاللہ اعلیٰ اوصاف کریمہ کے حامل ہیں۔ ملاقاتی کا دل موہ لیتے ہیں۔نرم دل ،نرم خو اور اخلاق حسنہ کے پیکر ہیں خدا تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔آپؒ کی صاحبزادی صاحبہ بھی درویشانہ اوصاف رکھتی ہیں۔سخاوت میں بے مثال ہیں۔حضورؒ کے داماد حضرت مولوی عبدالحمید صاحب تھے جو وصال فرما چکے ہیں۔

حضورؒ کے بڑے بھائی حضرت عبدالعزیز ہیں۔ جو وصال فرما چکے ہیں اور ماموں کا نجن شریف کے قبرستان میں ان کا مرقد اقدس ہے۔آپؒ حقہ سازی کرتے تھے۔آپؒ کے ایک صاحبزادہ صاحب ہیں ڈاکٹر سردار محمد صاحب ان کا اسم گرامی ہے۔ہومیوپیتھی کی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ۔ان کے ایک صاحبزادے ہیں جو ٹیلر ماسٹر ہیں۔حضورؒ اپنے بڑے بھائی کو ابا جی کہہ کر یاد فرمایا کرتے۔جو کہ اخلاص و پیار کا ایک انوکھا باادب انداز ہے حضورؒ کی زوجہ محترمہ کا عقد ثانی حضرت خوشی محمد صاحبؒ معروف بہ بابا روڈے شاہؒ صاحب ساکن ترنڈہ سوائے خانؒ سے ہوا۔آپؒ کے تین صاحبزادے ہیں بڑے حضرت ولی محمد صاحب جو کہ وصال فرما چکے ہیں۔ان سے چھوٹے حضرت نعمت الٰہی صاحب اور ان سے چھوٹے حضرت فاروق احمد صاحب ہیں۔ماشاءاللہ سب ہی اخلاص واخلاق کے جامع ہیں۔حضرت نذیر احمد ڈاکٹر

صاحب ساکن چک نمبر L-95/15 میا نچوں والوں کو دامادی کا شرف بخشا گیا ۔آپ بھی با اخلاق اور با اخلاص شخصیت کے مالک ہیں ۔اڈا چک نمبر L-95/15 میں حکمت اور دندان سازی کا کلینک چلا رہے ہیں ۔خدا تعالیٰ ان تمام حضرات کو عمر دراز عطا فرمائے اور تا دیر ان کا سایہ ہمارے سر پر قائم رکھے آمین ۔حضرت بابا روڈے شاہ صاحبؒ اور ان کی اہلیہ محترمہ وصال فرما چکی ہیں ۔ترنڈہ سوائے خاں ضلع رحیم یار خاں میں آرام فرما ہیں خدا تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آمین

ہجرت:۔ عارف باللہ حضرت سائیں فضل شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ برصغیر ہند کی تقسیم کے بعد ہجرت کرنے لگے تو کیمپوں میں ڈیرے لگا دیئے لنگر چلایا لوگوں کا علاج فرمایا۔اور خدمت خلق میں دن رات صرف فرمائے اور آخری گاڑی میں پاکستان تشریف لائے ۔حالانکہ لوگوں نے آپؒ کو جلد ہجرت کر کے پاکستان پہنچنے کا مشورہ دیا۔لیکن آپؒ نے لوگوں کی حالت زار دیکھ کر فرمایا۔کہ ہمارا کام تو اب شروع ہوا ہے ۔ہیضہ کی وبا بھی کیمپوں میں پھیلی لیکن آپؒ ہمہ تن خدمت خلق میں مصروف رہے۔گاڑیوں میں پانی کے ٹب بھر بھر کر رکھوائے ۔کہ راستے میں لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوگی ۔خالص پانی نایاب ہو رہا تھا ۔یہ پانی لوگوں کے کام آیا۔جب آپ پاکستان میں داخل ہوئے ،جہاں دوسرے کپڑے لوگوں کو تقسیم کیئے ،وہاں اپنے پہننے کا

قمیض بھی ایک میت کو عطا فرما کر داخل ہوئے۔

تم سخی ابن سخی ہو میں ضعیف و ناتواں
میں فقیر بے نوا، دربار رشاہانہ تیرا

جالندھر سے ہجرت فرما کر پاکستان میں ضلع لائل پور حال فیصل آباد کی تحصیل سمندری میں واقع منڈی ماموں کانجن شریف میں اقامت اختیار فرمائی ہجرت سے قبل بھی اس علاقہ میں آپؒ آتے جاتے رہے ہیں۔اس علاقہ میں آپؒ کے کافی ارادت مندر ہتے تھے۔ہجرت کے بعد بھی سب سے پہلے اس خوش بخت علاقہ کو پسند فرمایا۔بعد میں آپؒ کے محبین نے عام لوگوں اور خواص حضرات کی خاطر لاہور فیصل آباد اور رحیم یار خاں جیسی جگہوں پر بھی آپ کے عارضی مستقر بنا دیئے۔غالباً ۱۹۵۳ء سے مستقل ڈیرہ پاک لاہور میں دھرم پورہ بالمقابل حضرت میاں میرؒ بنا دیا گیا۔یہیں باقی عمر شریف تبلیغ دین حق میں صرف فرمادی۔دوسری جگہوں پر بھی کچھ دنوں کے لئے تشریف لے جاتے ماموں کانجن شریف میں دسمبر کے آخری ہفتہ میں عرس شریف منعقد فرماتے۔اور ہر خاص وعام کو اپنے چشمہ فیض وکرم سے جھولیاں بھر کر فیض تقسیم فرماتے لوگوں کو غرض وغایت سے پاک کر کے راہ حق کا راستہ روشن فرماتے۔اور وعظ ونصیحت میں اور خلق خدا کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرماتے ہمیشہ مستعد اور مصروف نظر آتے۔سلام کی

ابتدا خود فرماتے۔

معمولات:۔ آپؒ گرمیوں میں ایک بجے اور سردیوں میں تین بجے تہجد کیلئے اٹھتے ،اور تمام حاضر محبین بھی آپؒ کے ساتھ اسی معمول سے اٹھتے ۔دو نفل برائے ایصال ثواب جد امجد الانبیاء سیدنا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پڑھے جاتے ۔پھر تمام حضرات نماز تہجد ادا فرماتے پھر اذان فجر سے قبل ہی تینتیس مرتبہ سورۃ مزمل شریف تلاوت کی جاتی فرماتے کہ تینتیس مرتبہ سورۃ مزمل شریف پڑھنا پورا عمل ہے۔پھر شجرہ شریف سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ پڑھا جاتا۔پھر گیارہ اسمائے حضرت غوث الاعظمؒ پڑھے جاتے ۔اور آخر میں درود تاج پڑھا جاتا۔پھر دعا کی جاتی جس میں درود پاک اور مغفرت برائے والدین ضروری رکن شمار کیئے جاتے ہیں ۔جو کہ دعا کی قبولیت کا سبب بنتے ہیں ۔پھر اذان فجر کے بعد دو رکعت نماز سنت ادا کی جاتی ۔فرائض اور سنت کے درمیان چالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ تلاوت کی جاتی ۔بقول حضرت نظام الدین اولیاءؒ سنت اور فرض کے درمیان چالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنا بجائے خود محلل المشکلات ہے۔

نماز فجر کے بعد ایک مرتبہ سورۃ مزمل شریف پڑھی جاتی ۔یاودود کا ذکر ہوتا پھر آخر پر تین مرتبہ درود شریف کیساتھ دعائے خیر کی جاتی ۔پھر تلاوت قرآن پاک نماز اشراق تک کی جاتی پھر نماز اشراق ادا فرما کر خدمت خلق میں

مشغول ہو جاتے۔اور یہی نصیحت محبین کو فرماتے۔کہ عبادت کے بعد خدا کے فضل کو تلاش کیا جائے کام تلاش نہ کیا جائے کام کو ہی تلاش کرنا اور فضل خدا پر بھروسہ نہ رکھنا مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔آپؒ جسمانی اور روحانی طبیب ہونے کا شرف رکھتے ہیں لنگر بھی اپنے دست مبارک سے تقسیم فرماتے۔علاج بالغذا فرماتے۔

دوپہر کو تھوڑا سا آرام فرماتے جسے قیلولہ کہا جاتا ہے۔اگر زیادہ مصروفیت ہوتی تو دوپہر بھی مصروفیت میں گزر جاتی۔رات گیارہ بارہ بجے تک خلق خدا کے مسائل میں مصروفیت رہتے۔بازار سے خود لنگر پاک کے لئے سودا سلف خرید فرماتے۔اور اردگرد کے یتامیٰ ،مساکین غرباء اور بیوہ گان کا بھی دھیان رکھتے۔ان کے ہاں بھی ضروری اشیاء بھجواتے رہتے۔اپنے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں رکھا۔نہ اپنے لئے کھانا پکوایا، کپڑوں کا اہتمام نہ تھا بس خدا کے توکل پر سب کچھ ہو رہا ہے۔نماز مغرب کا بھی اہتمام خصوصاً فرماتے۔اس نماز کے بعد بھی ایک مرتبہ سورۃ مزمل شریف تلاوت کی جاتی اور یا ودود کا ذکر فرماتے اور پھر تین مرتبہ درود پاک کے ساتھ دعائے خیر ہوتی۔جس میں مغفرت والدین لازمی شامل ہوتی۔پھر لنگر شروع ہوتا۔اور رات گیارہ بجے تک پھر مصروفیت میں وقت گزرتا۔اسی تمام مصروفیت میں ہی نصیحت و بیان فرمائے جاتے۔تمام وقت خدا اور خلق خدا کے لئے تھا۔اپنا کوئی

وقت مخصوص نہ تھا۔ جب بھی کوئی حاضر ہوتا۔
آپؒ کو حاضر پاتا۔لوگوں نے یہ بھی سوال کیا کہ آپؒ کو حضور کیوں کہا جاتا ہے۔فرمایا جو ہر وقت خلق خدا کی خدمت کے لئے کمر بستہ اور حاضر رہے اس کو حضور کہا جاتا ہے۔ہم ہر وقت خدمت خلق میں حاضر رہتے ہیں۔لہذا محبین ہمیں حضور کہتے ہیں۔آپؒ ہر وقت باوضو رہتے۔اور باوضو رہنے کی تلقین فرماتے زبانؒ سے ذکر میں مشغول رہتے اور دل میں درود پاک پڑھنے میں مصروف رہتے۔اور یہ نصیحت بھی فرماتے کہ یہ نہ دیکھو کہ کوئی تمہارے ساتھ کیا کر رہا ہے۔بلکہ یہ دیکھو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔کیونکہ دوسروں نے اپنا کئے کا پھل پانا ہے۔جبکہ تمہیں اپنے کئے کا پانا ہے۔کسی کے کام آنے کو بھی صدقہ فرماتے۔نماز تہجد کے وقت خود دوسرے حضرات کو بھی بیدار فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھایا جائے۔اس وقت رحمتیں اور برکتیں کثرت سے نازل ہوتی ہیں۔لہذا ان کو حاصل کرنے کا یہ وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے۔

حلیہ مبارک:۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے مزین فرمایا ہے۔سو سال کی عمر مبارک میں چہرہ مبارک اور رنگ و روپ اور جسمانی صحت اور نظر مبارک سے بمشکل اتنی طویل عمر کے دکھائی دیتے۔خود بغیر سہارے کے چلتے پھرتے اور خدمت خلق میں مصروف رہتے۔اخلاص کی صفائی اور روح کی آراستگی نے روئے مبارک کو

ورق آفتاب بنادیا۔خدوحال دلکش ، قد موزوں ، اعضاء متناسب ، ناک مبارک ستواں پیشانی مبارک کشادہ جس کی لکیروں میں ولایت کی تنویریں ہویدا تھیں سفید اور گھونگریالی ریش مبارک میں شگفتہ مزاجی نے کنگھی کی ہوئی اور آنکھیں شب بیداری اور عشق محبوبؐ میں مست اور قدرے سرخی مائل رہتی تھیں لبوں پر مسکراہٹ اور زبان مبارک میں مٹھاس پائی جاتی۔قدم تیز مگر ہموار اٹھاتے۔سر پر عمامہ مبارک جو عموماً سفید ہوتا عنابی صافہ حمائل رکھتے سر مبارک کے بال منڈاتے۔سبز ٹوپی بھی پہن لیتے سرخ کناری والا سبز لاچہ (لنگی) اور کرتہ پہنتے۔اور قدرے جھوم کر چلتے۔

اخلاق حسنہ:۔ اس شریفانہ صورت کے ساتھ اخلاق اتنے کریمانہ رکھتے، کہ کوئی ایک مرتبہ مل لیتا۔دوبارہ ملنے کی تمنا کرتا۔مزاج مبارک میں حلم و برداشت بہت زیادہ تھا۔کوئی اخلاق میں کمی دکھائے۔تو گرفت نہ فرماتے۔درشتگی سے کوئی پیش آتا۔تو بدمزہ نہ ہوتے۔

ایک بار ایک نوجوان آیا۔اور بڑی بدتمیزی سے کلام کرنے لگا۔محفل مضطرب ہوگئی۔مگر آپؒ کے چہرہ انور پر برہمی کے کوئی اثرات ظاہر نہ ہوئے بلکہ خاموشی سے اس کی باتیں سماعت فرماتے رہے۔جب وہ چپ ہوگیا۔تو بڑی نرمی اور شفقت سے فرمایا۔کہ آپ نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا، مگر آپ ہمارے پاس آجایا کریں۔تو شاید ہمیں کچھ فائدہ پہنچ جائے۔تھوڑی دیر بعد

اس نوجوان کو اپنے کیئے پر ندامت ہوئی۔اس وقت تو چلا گیا۔مگر اگلے دن رو کر معذرت خواہ ہوا۔

ایک مرتبہ فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی چاہتے ہو تو اپنے اخلاق سنوار لو۔دلوں کی تسخیر کے لئے اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔اور اسی نے قبلہء عالم کی شخصیت کو جاذب نظر بنا دیا تھا۔آپؒ کے ایثار و تواضع ،صبر و تحمل ،شفقت اور انکساری کی مثالیں بارہا دیکھنے اور سننے میں آئیں۔

ایک مرتبہ کسی نے بہت قیمتی قالین کا مصلٰی نذر کیا۔بچھا کر بیٹھے ہی تھے۔کہ ایک ملاقاتی آیا۔اس نے مصلے کو ذرا دلچسپی سے دیکھا اور زبان سے بھی تعریف میں بہت کچھ کہا۔آپؒ نے فرمایا، پسند ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو اسی وقت مصلٰی نیچے سے نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

لنگر کے لئے کھانے پکانے کا سامان اکثر خود ہی بازار تک پیدل جا کر لاتے کھانے پر کتنے ہی لوگ جمع ہو جائیں۔جب تک ان کو کھلا نہ لیتے خود نہ کھاتے فرماتے جو ٹکڑے چھوڑ دیئے جاتے ہیں ان کا مزہ ہی الگ ہے۔اکثر اپنے ہاتھ مبارک سے لنگر مبارک تقسیم فرماتے۔

ایک مرتبہ بہت بڑی ضیافت کی۔جس کسی نے سنا ،کھانے میں شریک ہوا۔آپؒ خود لنگر تقسیم فرماتے رہے۔اس مصروفیت میں گھنٹوں گزر گئے۔مگر خود سب کے آخر پر کھایا۔فرمایا کرتے۔کہ ضرورت مند کو وہی دو

، جو وہ مانگے اگر آٹا مانگے تو آٹا ہی دو۔ اور ساتھ ہی اس کا شکریہ بھی ادا کرو۔ کہ اس کی بدولت فانی چیز، دائمی میں بدل گئی۔ ایک روٹی نہ دو، بلکہ دو روٹیاں دو۔

لباس کی طرح غذا میں بھی سادگی روا رکھتے۔ ایک جوڑا زائد اپنے پاس رکھتے کہ اگر کوئی حاجت مند آئے، تو اسے دے کر اس کی ضرورت پوری کر سکیں۔ اور اسے مایوس نہ لوٹنا پڑے۔ کوئی حاجت مند آتا تو اسے مایوس نہ لوٹاتے۔

آپؒ کا کلام میٹھا اور بصیرت آموز ہوتا۔ فرماتے ہیں۔ کہ بولنے سے پہلے یہ سوچ لیا کرو، کہ اس میں دوسرے کا فائدہ ہے کہ نہیں۔ اگر ہو تو کلام کرو ورنہ خاموش رہو۔

مزاج شریف میں رافت و مروت اس قدر غالب تھی۔ کہ ایک مرتبہ بخار میں مبتلا تھے۔ بدن تپ رہا تھا۔ ایک شخص آیا۔ اس نے ایک مریض کی شدید تکلیف کا ذکر کیا۔ آپؒ سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے جب تک مریض کو تسکین نہیں ہوئی وہاں رہے۔

آپؒ فرماتے ہیں۔ کہ نماز کو قضا کر کے پڑھا جا سکتا ہے، مگر خدمت خلق کو قضا کرنا خلاف سنت ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی آئے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا جانو، اور بھیجنے والے کے لئے اس کے ساتھ معاملہ

کرو اجر کا سوال نہ کرو۔ کہ رب العالمین سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں اپنے ساتھیوں کی پوری حفاظت کرنا ،اور مشکل مقامات پر انہیں پورا رہ کر دکھانا اخلاقی تربیت دینے والوں کی شان ہوتی ہے یہی شان اخلاقی تربیت گاہوں کی جان ہوتی ہے اور اخلاقی تربیت گاہیں ہی حسن معاشرت کو قائم رکھتی ہیں۔

ایک مرتبہ آپؒ کو بخار تھا۔کئی روز سے جو کا پانی پی رہے تھے مگر بخار کی شدت بھی قائم تھی ۔ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا۔حضورؒ! بابا چراغ دین بیمار ہے۔آپؒ کی دعا بھی چاہتا ہے۔اور دوا بھی چاہتا ہے۔مگر آپؒ کو بھی بخار ہے۔اب میرے لئے کیا حکم ہے۔

حضورؒ نے فرمایا۔ہم ابھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔اٹھے،نقاہت کافی اور خاصی تھی۔عصا ہاتھ میں لیا۔اور اس کے ساتھ چل پڑے۔نصف میل کے فاصلے پر بابا چراغ دین کے گھر پہنچے۔تو بابا آپؒ کو دیکھ کر رونے لگا اس نے کہا حضورؒ مجھ سے بڑی بے ادبی ہوئی ہے۔حضورؒ بخار کے ساتھ میرے لئے اتنی تکلیف کر کے تشریف لائے ،اب میرا کیا بنے گا۔فرمانے لگے،آپ نہیں آسکتے تھے،آپ نے بلا بھیجا،یہ بھی ادب ہے،آسکنے کی سکت ہوتی ،اور بلا بھیجتے ،تو یہ بے ادبی ہوتی ۔رہا ہمارا حال تو اگر ہم میں آسکنے کی ہمت نہ ہوتی ،تو پھر بلاوا ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ہم یقین رکھتے ہیں۔کہ جس کی طرف سے بلاوا آیا تھا۔توفیق دینے والا معطیٔ مطلق بھی وہی ہے۔اس کی طرف

سے جو حق کسی پر عاید ہوتا ہے۔اس کے ادا کرنے کیلئے کہیں زیادہ توفیق پہلے اسے عطا کی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک غریب سا شخص آپ کے پاس حاضر ہوا۔اور کہنے لگا کہ حضورؒ میں کایا پلٹ کشتہ بنالیتا ہوں۔اس کیلئے فلاں فلاں چیزیں درکار ہیں اور اتنی رقم درکار ہے اور اتنے آدمی بھی ہوں۔تو تب بنتا ہے۔حضورؒ اس کا مطلب سمجھ گئے۔کہ اسکو رقم کی ضرورت ہے اور یہ حیلے سے کام لے رہا ہے چنانچہ اتنے آدمی ساتھ کر دیئے۔کچھ دن بعد وہ آیا تو کہنے لگا کہ باقی سب کچھ مکمل ہو گیا ہے۔اب صرف حضرت خضر علیہ السلام کے حکم اور اجازت کی دیر ہے۔جناب ڈاکٹر نذیر احمد فاضلی صاحب فرماتے ہیں۔کہ ہم نے یہ الفاظ حضورؒ کی زبان مبارک سے خود اپنے ان کانوں سے سنے۔کہ حضورؒ نے فرمایا خضرؑ ہماری ٹانگ سے بندھا ہے۔جاؤ ہم تم کو اجازت دیتے ہیں۔خیر وہ کچھ رقم لے کر چلا گیا۔نہ کشتہ بنانا تھا۔نہ اس نے بنایا تھا۔وہ لاجواب ہو کر چلا گیا اپنی ضرورت پوری کروانے کے بعد چلا گیا

ایک مرتبہ عرس شریف کے موقع پر ڈیرہ پاک ماموں کانجن شریف میں گلی میں کچھ کتے پھر رہے تھے۔حضورؒ نے مولوی عبدالغفور صاحب سے فرمایا۔کہ ان کو گوشت اور چھیچھڑے ڈال دو۔انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔اور ایک ہی جگہ سب کتوں کو گوشت ڈال دیا۔کتے ایک دوسرے پر غرآنے لگے

آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا۔ ان کو علیحدہ علیحدہ ڈالو۔ مولوی صاحب نے کتوں کو ذرا جھڑک کر گوشت ڈالنے کی سعی کی۔ لیکن آپؒ نے فرمایا۔ نہ ان کو مارو نہ جھڑکوں کیوں کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں بلکہ آرام سے ان کو علیحدہ گوشت ڈال دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو کتے آرام سے اپنا اپنا حصہ میں آمدہ گوشت کھانے لگے۔ جبکہ ڈانٹنے سے وہ بار بار گوشت کی طرف لپک رہے تھے۔ اور ایک دوسرے کو غرا رہے تھے۔

ایک مرتبہ دسمبر کے مہینہ میں عرس مبارک ماموں کانجن شریف کے موقع پر رات بارہ ایک بجے کڑکڑاتی سردی اور کورے کہر میں اکیلے ہی رات کے سماں میں مریدین محبین کی خبر گیری کرتے دیکھا گیا۔ بوہڑ کی طرف والے برآمدوں میں حاضرین سوئے ہوئے تھے۔ ہر کوئی گرم گرم رضائیوں میں نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لیکن سرکارؒ اکیلے ہی ہر برآمدہ میں جا جا کر جائزہ لے رہے تھے۔ کہ کوئی بے آرام تو نہیں۔ ہر کسی کو بستر مل گیا ہے۔ جب دیکھتے کہ سب آرام سے گرم رضائیوں میں سوئے ہوئے ہیں۔ تو چہرہ انور پر اطمینان آمیز تبسم آ جاتا تھا۔ اس مرد قلندر کو اللہ کی مخلوق کا ہر لمحہ کس قدر خیال تھا۔ ایک مرتبہ برآمدہ میں کوئی گیارہ بجے کے لگ بھگ رات کو تشریف لائے۔ کہ دیکھیں سب کو بستر مل گئے ہیں۔ یا کیا نوعیت ہے۔ ایک دوست نے عرض کیا حضورؒ رضائیاں کچھ کم پڑتی معلوم ہو رہی ہیں۔ آپؒ نے فی البدیہ فرمایا کہ

یا دو دو آپ حضرات دو دو ہو کر ایک رضائی استعمال کریں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو رضائیاں پوری نکلیں نہ کم نہ زیادہ۔

عام طور پر یہ مشاہدہ ہے۔ کہ پیر صاحبان خدمت کرواتے ہیں۔ اور مریدین خدمت کرتے ہیں۔ لیکن حضورؒ کے یہاں انوکھا انداز ہے۔ کہ مریدین آرام کر رہے ہوتے ہیں اور پیر صاحبان کام اور خدمت میں مصروف ہوتے ہیں خدمت کرنا مومن کی شان ہے۔ تکلیف اس کا آرام ہوتا ہے۔ ہر ایک کا ساتھی سب کا خادم حضورؒ اپنے دست مبارک سے لنگر تقسیم فرماتے۔ حاضرین کے جوتے سیدھے کر دیتے جوتے کیا سیدھے کرتے قبلے ہی سیدھے کر دیتے آپؒ کے ہر ہر عمل سے سنت رسول اللہ ﷺ جھلکتی نظر آتی۔

لوگوارے لوگو میری قسمت کو سراہو
سرکار ملے ہیں مجھے سرکار ملے ہیں

ایک مرتبہ آپؒ گاڑی میں سفر فرما رہے تھے۔ تمام سیٹیں پر تھیں۔ اتنے میں ایک مسافر جو کہ مریض تھا سوار ہوا۔ اس سے کھڑا ہونا محال تھا۔ ٹی ٹی وغیرہ سے کہا گیا۔ لیکن سیٹ نہ بن سکی۔ حضورؒ کی نظر مبارک جوں ہی اس پر پڑی۔ معاملہ کی نزاکت کو پاتے ہوئے ایک رضائی کو سیٹوں کی درمیانی جگہ پر تہہ کر کے رکھ دیا۔ اور فسٹ کلاس سیٹ کا منظر بنی یہ سیٹ اس مریض کو دی گئی

کہ آپ یہاں تشریف رکھیں۔ مسافر حضورؒ کی اس حکمت عملی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ کہ واقعی مریض کو اس طرح کی آرام دہ سیٹ کی ہی ضرورت تھی۔ جو آپؒ نے اپنے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مہیا فرمادی۔ ماموں کانجن شریف میں آپ گلی میں سے گزر رہے تھے۔ کہ آپؒ نے کسی صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ مہمان بھی کافی ہیں۔ بستر بھی اب فالتو نہیں بچا۔ اب کیا کیا جائے۔ آپؒ نے انہیں مخاطب فرما کر یہ فرمایا کہ ہمارے پاس سب بستر ہی فالتو ہیں۔ ان مہمانوں کو ہمارے ساتھ کردیں۔ ہم ان کے آرام کا خیال رکھیں گے۔ چنانچہ زاید مہمان آپؒ کے ہمراہ چلے آئے۔ آپؒ نے آرام دہ بستروں میں ان کے آرام کا بندوبست فرمادیا۔ جن صاحب کے یہ مہمان تھے۔ وہ بزرگان دین کو ماننے کے قائل نہیں تھے۔ لیکن آپؒ نے اللہ کی مخلوق خواہ کسی کی مہمان تھی۔ ان کے آرام کو ملحوظ رکھا۔ تو وہ صاحب بھی آپؒ کے اخلاق کو دیکھ کر متاثر ہوئے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہے۔ مخلوق اللہ کی اللہ مخلوق کا۔ وہ ماننے والوں کو بھی پال رہا ہے۔ اور نہ ماننے والوں کو بھی پال رہا ہے۔ اسلئے سخاوت کرتے وقت کافر مسلمان وغیرہ کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے۔ کوئی اچھا کہے یا نہ کہے۔ اپنا کام مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ کسی نے ٹوٹنا ہے تو ٹوٹ جائے جس نے جڑنا ہے تو جڑ جائے تم حق پر رہو حق کیلئے معاملہ کرو۔ کیونکہ اللہ رب العالمین سے بڑھ کر اجر دینے والا کوئی

نہیں ہے۔آپؒ اسی لئے فرماتے ہیں۔کہ بے غرض وغایت کسی کے کام آنا صدقہ ہے۔اور مقام ولایت ہے۔اجر سے بے نیاز ہو کر مخلوق اللہ سے معاملہ کرنا چاہیے۔خواہ کوئی اچھا کہے نہ کہے۔

ایک مرتبہ عرس شریف کے موقع پر ماموں کانجن شریف میں گلی نور والی کے درمیان نم کے درخت کے نیچے چولہے کے قریب ایک چارپائی کے پاس آپؒ کھڑے تھے اتنے میں ایک گداگر آیا۔اور آتے ہی نعرہ لگایا نور والے تیرے چاہنے والوں کی خیر۔آپؒ نے جو اس کو دیکھا۔تو وہ ضعیف العمر تھا۔اور سردی محسوس کر رہا تھا۔صبح سحری کا وقت تھا۔آپؒ نے وہیں چارپائی پر پڑا ہوا کمبل اس کو عنایت کر دیا۔اور جس کا وہ کمبل تھا۔ان کو اپنا کمبل اندر سے لا کر دے دیا خود تمام بقیہ رات بغیر کمبل کے گزار دی۔صرف سر پر ایک اونی ٹوپی تھی۔کسی قدر اللہ کی مخلوق کا دھیان تھا۔اس واقعہ سے بھی روشن ہو جاتا ہے۔خود بے آرام ہو لیتے لیکن اللہ کی مخلوق کی بے آرامی گوارا نہ فرماتے۔

آپؒ تہجد کے وقت تفسیر قرآن پاک تحریر کرواتے۔عجب نور چہرہ انور پر روشن ہوتا۔اور الفاظ موتیوں کی طرح اپنی روشنی لئے ہوتے۔لنگر مبارک میں یکساں توازن ہوتا۔فرشی بستر استعمال کرتے۔اور محبین بھی ایسا ہی کرتے۔غریب ہو یا امیر۔ایک سا سلوک آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ہر ایک کے

مقام اور شخصیت کے مطابق ان کا خیال فرماتے۔ گردونواح میں بھی مستحقین کا خیال فرماتے۔

ماموں کانجن شریف میں ڈیرہ پاک کے قریب ہی ایک ڈاکٹر صاحب رہا کرتے تھے۔ وہ پہلے پیروں فقیروں کو نہیں مانتے تھے۔ بلکہ خلاف تھے۔ لیکن حضورؒ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر گرویدہ ہو گئے۔

ماموں کانجن شریف میں چوہدری ظہور احمد صاحب کے بھائی کو ٹی بی کی شکایت ہو گئی۔ حضورؒ نے ان کیلئے یہ علاج تجویز فرمایا کہ سوکھی روٹی کھائیں اور مسجد کی صفائی ستھرائی اور خدمت انجام دیں۔ چنانچہ اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر ان کو شفائے کلی نصیب ہو گئی۔ اور حضورؒ کے بھی ممنون ہوئے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ کوئی پوچھو۔ زمین کی پوچھو یا آسمان کی پوچھو سب بتائیں گے اسی طرح حضور قبلہ فضل شاہ رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ کوئی پوچھو۔ ہر ایک کو اجازت ہے۔ دین کی پوچھو یا دنیا کی پوچھو۔ زمین کی پوچھو یا آسمان کو پوچھو۔ علم عطا کیا جائے گا۔ یہ دعویٰ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ کلی علم کا حامل ہے تو یہ شرف اور مقام رکھتا ہے۔

وصال شریف:۔ آپؒ کے اس دار فانی سے عالم دائمی کو جانے کا وقت قریب آیا۔ تو بھگندر کے مریض ہوئے۔ آپؒ فرمایا کرتے۔ کہ

یہ مرض عام کو ہو تو شفا ہو جاتی ہے۔لیکن قطب عالم جو خاص الخاص کے مقام پر ہوتا ہے۔کو یہ مرض عود کرتا رہتا ہے۔غوث علی شاہ قلندر کا ارشاد بھی مولوی گل حسن قادریؒ نے تذکرہ غوثیہ میں تحریر فرمایا ہے۔کہ قطب ارشاد کی بہت سی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہوتی ہے۔کہ اس کے جسم کے کسی حصہ پر زخم ہوتا ہے۔جو رستا رہتا ہے۔وقتاً فوقتاً۔لہٰذا اس بیان سے حضورؒ کے قطب عالم کے مقام کی بھی نشاندہی ہو گئی۔یہ قطب عالم،قلندر اعظم کی ایک نشانی ہے۔

المختصر یہ مرض پہلے بھی عود کرتا رہا۔حضورؒ کی عمر مبارک تین مرتبہ پہلے ہی بڑھ چکی تھی۔آخری مرض میں کچھ عرصہ تقریباً چالیس یوم انتہائی صبر و شکر سے تکلیف میں گزارے۔لیکن بیماری کے باوجود آپ نے ابتدائی ایام معمول کے مطابق حاجت مندوں کی فیض رسانی میں گزارے۔لیکن مرض زور پکڑ گیا آپؒ نے وصیت نامہ بھی تحریر کروایا۔جو محمد حنیف رامے صاحب نے تحریر فرمایا آپؒ نے ۲۳ شعبان المعظم بروز اتوار ۱۳۹۸ھ بمطابق ۳۰ جولائی ۱۹۷۸ء کو اس دار فانی کو الوداع فرمایا۔اور خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپؒ کے غسل مبارک کے بعد چارپائی پر آپؒ کے جد اطہر کو رکھا گیا پھولوں سے سجایا گیا۔لمبے لمبے بانس ساتھ باندھ دیئے۔تاکہ ایک ہی وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگ چارپائی اٹھانے کی سعادت میں شریک ہو سکیں میاں میرؒ کے دربار پاک پر واقع وسیع صحن میں جنازہ مبارک پڑھایا گیا مولوی

محمود یسٰین صاحب جو کہ حضورؒ کے پیر بھائی ہیں۔نماز جنازہ پڑھائی۔گلاب میں بسے ہوئے جنازہ مبارک کو ڈیرہ پاک پر واپس لایا گیا۔

اور آخری آرام گاہ میں اتارا گیا۔روضہ مبارک کا تعویز بنایا گیا ہے۔ابھی گنبد تعمیر نہیں ہوا ۔ہر سال وصال مبارک کی مناسبت سے ۲۳/۱ شعبان کو عرس مبارک شروع ہو کر دو دن رہتا ہے۔حضورؒ فرماتے ہیں۔کہ بزرگان دین وصال سے قبل اسطرح رہتے ہیں۔جیسے تلوار میان میں ہوتی ہے۔بڑا سنبھل کر چلنا ہوتا ہے۔لیکن وصال کے بعد وہ تیغ برہنہ یعنی میان سے باہر تلوار کی مانند ہوتے ہیں۔ان کے فیض میں طغیانی ہوتی ہے۔اللہ کی مخلوق اب بھی اسی طرح حاضر ہو کر فیض سے دامن مراد کو بھر رہی ہے۔اور بھرتی رہے گی۔آپؒ کا دربار پاک انفنٹری روڈ پر دھرم پورہ لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

سلسلہ مبارک:۔ آپؒ کا سلسلہ مبارک ،سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ ہے۔طریقہ قادری چونکہ تین طریقوں پر ہے۔پہلا طریقہ ،زاہدی قادری دوسرا طریقہ سروری قادری اور تیسرا طریقہ فاضلی قادری (جو حال پر جاری ہے)

پہلا طریقہ ،زاہدی قادری:۔ زاہدی قادری صرف اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے بے نیاز ہے۔اللہ تعالیٰ نے

اپنے لئے کچھ نہیں چاہا، زاہدی قادری بھی اگر اپنے لئے کچھ نہ چاہے تو اس کو مقام فنافی اللہ عطا ہوتا ہے۔ فقیر جس وقت فنافی اللہ ہوتا ہے۔ آگے اس کے بقاباللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

زہد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ انسان کو بھی اس کے لئے ہر وقت پاک رہنا چاہیے جو اس سے پاک ہو جاتا ہے۔ وہ انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ، سروری قادری:۔ یہ حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ پر منکشف ہوا، جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے۔ اس مقام پر بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ حال پر اللہ تعالیٰ دینے والا ہو، اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ دلانے والے ہوں، اور حاضر وقت بزرگان دین تقسیم کرنے والے ہوں۔ حضرت سلطان باہو کو جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے مقرر کیا گیا، سرور ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو مقام عطا کیا۔ سرور ﷺ نے جناب غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سرور کا علم عطا فرمایا۔ اور حضرت سلطان باہو کو اس سروری کی تقسیم کرنے کی اجازت دی حال پر زاہدی قادری زہد کرے اپنے آپ سے تو زاہدی قادری ہو جاتا ہے۔ اور سروری قادری زہد کرے اپنی خلوت سے اور جلوت سے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا

ثبوت پیش کیا۔ سب کچھ محبوب ﷺ کے لئے بنایا، اپنے لئے کوئی شے نہیں بنائی۔ یہ ذاتی زہد ہے۔ چاہت کی محبوب ﷺ کی، اپنی کوئی چاہت نہیں رکھی، یہ صفاتی زہد ہے۔ جس کو زہد الانبیاء فرماتے ہیں۔ بزرگان دین۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کو اپنی ذات سے بھی پایہ عنایت کیا اور صفات سے بھی پایہ عنایت کیا۔

زاہدی اپنی ذات کیلئے کچھ نہ چاہے، تو زاہدی قادری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرور بنایا۔ محبوب ﷺ کو، جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کو چاہے گا۔ اسے سروری قادری ہونے کا خطاب عطا ہو جائے گا۔ پہلے زاہدی قادری ہوتا ہے، اس کے بعد سروری قادری ہوتا ہے۔ اس کے بعد فاضلی قادری ہوتا ہے۔ یہ تینوں مقام ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ سروری قادری کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی، اس لئے حال پر فاضلی قادری ہونے کا خطاب عطا فرمایا۔

تیسرا طریقہ، فاضلی قادری:۔ یہ حال پر ہو رہا ہے، یہ فاضلی قادری کیا ہے؟ سب سے پہلے دیکھنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کن معنوں سے قادر ہے؟ اللہ تعالیٰ ان معنوں سے قادر ہے۔ کہ مستقبل کا مالک اللہ تعالیٰ حال کا بھی اور ماضی کا بھی مالک اللہ تعالیٰ۔ یہ تینوں زمانے اللہ کے حکم میں ہیں اللہ تعالیٰ "ابد" سے قادر ہے، جو اللہ تعالیٰ سے قادر ہو جاتا ہے۔ وہ بھی "ابد" سے قادر

ہو جاتا ہے۔اسی لئے حضور غوث الاعظمؒ کو (ابدالقادر) عبدالقادر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور فضل شاہؒ قطب عالم کو یہ شرف حال پر عطا فرمایا۔ کہ مستقبل ان کا مستقبل ہے۔حال ان کا حال ہے۔اور ماضی ان کا ماضی ہے۔ ماضی ان کا شاہد ہے، حال، حال ہے اور مستقبل ان کا قرآن کریم ہے۔جس فقیر پر یہ تینوں مقام آجاتے ہیں۔وہ ابدالقادر (عبدالقادر) ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے قادر ہونے کا مرتبہ عطا فرماتا ہے اپنی رحمت سے۔

شان و مقام ولایت:۔ حضور فضل شاہ قطب عالمؒ کو جناب نبی کریم ﷺ کی جناب سے نوازا گیا۔رویائے صالحہ (خواب) میں، اس صورت سے کہ سب نبیؑ، رسولؑ، صحابیؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، غوثؒ، قطبؒ، قلندر، ابدال امامؒ ولی اولیاء مومنین، صالحین اور مسلمین جو پہلے ہوئے ہیں۔جو اب حال پر ہیں اور جو تا قیامت ہونے والے ہیں، سب جمع تھے۔ساری کائنات میں سے ایک بزرگ حضرت شاہ نور جمالؒ جن کا ہوشیار پور کے نزدیک پہاڑی پر مزار ہے، یہ حاضر نہ تھے، وہ بھی حاضر ہو گئے۔تو ان کے متعلق اعلان ہو گیا کہ شاہ نور جمالؒ بھی حاضر ہیں۔پھر جناب رسول کریم ﷺ نے حضور فضل شاہؒ قطب عالم کو تخت مبارک پر بٹھایا۔تاج مبارک اپنے ہاتھ مبارک سے پکڑا، اور تمام حاضرین کو فرمایا، کہ سب دعا کرو، اللہ تعالیٰ کے دربار میں کہ اللہ تعالیٰ اس فقیر حضرت فضل شاہؒ کو ابدالاباد تک جاری و ساری رکھے آمین۔وہ

تاج مبارک جناب غوث الاعظمؒ کو عطا کیا، اور جناب غوث الاعظمؒ نے اپنے مبارک ہاتھ سے وہ تاج مبارک حضور فضل شاہؒ قطب عالم کے سر مبارک پر رکھا، اور فاضلی ہونے کا خطاب عطا کیا۔ سب دعا کر رہے تھے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اپنے امین ہاتھوں سے تخت مبارک کو اشارہ کر رہے تھے۔ اور وہ آسمان کی طرف بلند ہونے لگا، پھر آپؐ نے اشارہ کیا، پھر بلند ہوا۔ پھر آپؐ نے اشارہ کیا، پھر بلند ہوا۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ حضور ﷺ نے بلندی کا جو شرف عطا فرمایا ہے، وہ قیامت تک بلند ہوتا رہے گا، اور قیامت کے بعد بھی بلند رہے گا۔

پہلا اشارہ: زاہدی قادری۔ دوسرا اشارہ: سروری قادری اور تیسرا اشارہ: فاضلی قادری۔ اسلئے حضور فضل شاہؒ قطب عالم کو حال پر اللہ تعالیٰ نے کل کا مقام عطا فرمایا ہے۔

۱۔ زاہدی قادری:۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کیلئے پاک رہنا۔

۲۔ سروری قادری:۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر وقت پاک رہنا، اور سرور ﷺ کے لئے ہر وقت باوضو رہنا۔

۳۔ فاضلی قادری:۔ ا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر وقت پاک رہنا، اور سرور ﷺ کے لئے باوضو رہنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنا، اور ذکر میں مشغول رہنا۔

۳۔ درود پاک میں مصروف رہنا۔
یہ تین مقام حقائق کی انتہا ہیں۔ اور دو مقام حقائق کی ابتدا ہیں۔ جو یہ ہیں۔
۱۔ مسلمان کا ہاتھ امین ہو ۲۔ زبان برائی سے پاک ہو۔
جس وجود مبارک میں یہ پانچ مقام آ جائیں گے، وہ صاحب اللہ کا ہو جائے گا اور اللہ اس کا ہو جائے گا۔ وہ بزرگان دین کی صف میں شمار ہو جائے گا۔ قیامت کے دن بھی پاک اٹھایا جائے گا اور بزرگان دین کی صف سے باوضو اٹھایا جائے گا۔ یہ متذکرہ بالا پانچ مقامات فاضلی قادری کے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کو تمام قادری سلاسل پر فضیلت ہے اور یہ کلی مقام ہے۔ اب جزو، جزو اعظم اور کل یعنی عام، خاص اور خاص الخاص کو ایک ہی تقسیم ہو رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امین ہاتھوں سے پہلا اشارہ زاہدی قادری کا شرف عنایت فرمانے کو فرمایا۔ دوسرا اشارہ سروری قادری کیلئے فرمایا اور تیسرا اشارہ فاضلی قادری کا شرف عنایت فرمانے کو فرمایا یہ کل کا معیار عنایت فرمایا۔
اسی لئے حضرت نیاز احمد ہردمؒ صاحب فرماتے ہیں جو ان کا مشاہدہ ہے کہ

فضل شاہ قطب عالمؒ کا عجب جاری ہے میخانہ
پیتا ہو جس نے پی لے وہ ہر رنگی مے کا پیمانہ
کرے ہے مست اک پل میں نہیں ہے دیر ٹھہرانہ
پلک میں چور دیکھا جھلک میں درجہ قطبانہ

جو پیدا تھے جو پیدا ہیں سبھی ہیں ان کے طلبانہ
جو عاشق شاہ جیلاں ہووہ دیکھے ان کا چہرانہ
ہردم نے صاف دیکھا ہے عجب ان کا کرشمانہ
نظر بس ایک سے طالب کو پار کردینا

حضور فضل شاہ قطب عالمؒ کا فرمان ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی شریعت کے غوث الاعظمؒ ہیں۔ہم طریقت کے غوث الاعظم ہیں۔

ست چو داں تے اکی چالی
آئی بلا جے نہ ٹالی
سانوں غوث الاعظم نہ آکھیں

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

بیعت کی حقیقت:۔ حضور فضل شاہؒ قطب عالم سے جب یہ سوال کیا گیا کہ حضورؒ بیعت کا مقام آج بھی موجود ہے اس کی افادیت کیا ہے؟ تو حضورؒ نے جواب مرحمت فرمایا کہ بیعت کی حقیقت شہادت ہے شاہد کا مقام جاری ہے اور جاری رہے گا۔ چونکہ جلوت موجود ہے۔ اور اتباع کی بدولت مرکزیت قائم رہتی ہے تزکیہ عطا ہونے کی صورت بھی یہی ہے اور فلاح دارین بھی

طرح ممکن ہے۔

بیعت کے مقامات:۔ بیعت کے چار مقام ہیں۔

☆قول سے:۔ اس سے اقرار ہوتا ہے، مرید کا اپنا قول شاہد حق کے قول پر نثار ہو جاتا ہے، پھر اس کا قول شاہد کا قول ہوتا ہے۔ یہ بیعت کا پہلا مقام ہے

☆اعمال سے:۔ جب اقرار کی وفا ہوتی ہے۔اور قول کی صداقت کی سند عمل سے پیش کی جاتی ہے تو مرید کے اعمال شاہد حق کے حال سے منور ہو جاتے ہیں۔ وہ صراط مستقیم پر قائم ہو جاتا ہے یہ بیعت کا دوسرا مقام ہے۔

☆علم سے:۔ جس صاحب کا عمل دربار خداوندی میں سچا ثابت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو علم کی آنکھ عطا فرما دیتا ہے۔اس کو ہر مقام پر خیر اور غیر کے مابین وقف کا علم ہوتا ہے، یہ برہان ہے۔اور یہ بیعت کا تیسرا مقام ہے۔

☆اخلاص سے:۔ قول، عمل اور علم یہ تین درجات ہیں، اخلاص انعام ہے جب کوئی صاحب تینوں مقامات پر پورا رہتا ہے تو اسے مخلص ہونے کا انعام ملتا ہے۔ مخلص پر شیطان کا اغوا ممکن ہی نہیں جو مخلص ہو جائے اس کا اللہ تعالیٰ کی انعام یافتہ صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ جو مخلص ہو اس پر اخلاص حسن کی صورت سے اترنے لگتا ہے، جیسے باران رحمت برستی ہے۔

انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا سے راضی رہنا چاہیے اور بزرگانِ دین کے راستہ پر رہنا چاہئے۔ بزرگانِ دین کا راستہ صراط مستقیم ہے صراط مستقیم پر رہنے والے کو تین انعامات عطا ہوتے ہیں۔

اول:۔اس کی زبان پاک ہو جاتی ہے۔

دوئم:۔اس کا ہاتھ امین ہو جاتا ہے۔

سوئم:۔اس کا قدم طیب ہو جاتا ہے۔

وہ اولیاء ہو جاتا ہے اور جو نہ ہو
وہ کھوٹا ہمیں دے کر کھرا لے جائے

زبان پاک ہو تو عامل ہو جاتا ہے، دل طیب ہو تو کامل ہو جاتا ہے اور معیت میں رہے تو مکمل ہو جاتا ہے۔ محب ہر مقام پر محبوب کو ہی دیکھتا ہے۔ اس لئے اس کا معاملہ ہر مقام پر درست رہتا ہے یہ ہے تسخیر کی حقیقت۔ بزرگانِ دین کے دربار پاک پر حاضری کا منشا یہی ہے کہ ان کی معیت عطا ہو، جس کی یہ نیت اور منشا نہیں وہ ناکام ہی رہے گا۔ اس حال پر بھی اور اس حال پر بھی۔ صاحب حق سے محبت ہو تو حق کی ادائیگی ممکن ہے ورنہ نہیں۔ جو بزرگانِ دین کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس کے دل کو شگفتگی اور زبان کو گویائی کا خطاب عطا ہو جاتا ہے۔ ہدایت صاحب ہدایت سے عطا ہوتی ہے اور حال پر عطا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جس انسان پر کرم کرنا چاہتا ہے اسے اس کے قریب کر دیتا ہے

جس پر پہلے کرم کیا ہوا ہو۔ جنہیں قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ راحت ان کیلئے راستہ بن جاتی ہے۔ اور صراط مستقیم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ محبّ کسی عمل سے نہیں صرف محبت سے بنتا ہے۔ محبّ سے حبیب بنتا ہے وہ عمل بے جان ہے جس میں محبت اور تڑپ نہ ہو۔ محبت کی پہچان یہ ہے کہ جس کو محبت ہو وہ متحرک ہوگا جس کو محبت نہ ہو وہ ساکن ہوگا، محبت ہی اعمال کی جان ہے جتنی محبت زیادہ ہوگی اتنے اعمال صالح ہوں گے۔ محبت کی کمی سے نیک اعمال میں کمی واقع ہوتی ہے۔

ایمان قلبی کی پہچان یہ ہے کہ حال پر اسے محبوب حق سے محبت ہوگی اور اپنی جان سے بڑھ کر ہوگی۔ محبّ سوائے محبت کے کسی عمل سے نہیں بنتا۔ یہی صورت قلبی امن اور ایمان کے حصول کی ہے۔ بزرگان دین سے استفادہ کرنے اور فیضیاب ہونے کے لئے ان کے قدم بقدم رہے اور معیت میں رہے جو معیت میں رہتا ہے وہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے جو امر میں رہتا ہے۔ حفاظت میں رہتا ہے۔ حکم میں رہنا ہی معیت میں رہنا ہے۔

حقیقی بیعت:۔ بیع جب بھی ہوتی ہے زبان (قول) سے ہوتی ہے اور حال پر ہوتی ہے۔ لینا دینا ہاتھ سے ہوتا ہے۔ اسلئے زبان پاک ہو تو بیع کی حقیقت حق ہے ہاتھ امین ہو تو لینا دینا حق ہے۔

بیعت یہ ہے کہ مرید مراد کو اور مراد، مرید کو قبول کر لے۔ خواہ اس کے